مدیر ؛ ندیم عباس ڈھکو
03481648941

فیس بک انچارج ؛
سمیہ عبید، اَنا زئی، فاطمہ حُسینی

داستان دل

مجلس ادارت ؛
شعیب عالم 03367685168
امتیاز عاصم 03027898699

حکومت پاکستان کی طرف سے روزانہ 4 ہزار کی اشاعت کا سرٹیفکیٹ
ABC CERTIFIED
E-mail Address: roznama.jamhoristan@yahoo.com
Facebook:roznama.jamhoristan
عوامی امنگوں کا ترجمان
54 سالہ اشاعت کے ساتھ

DAILY JAMHORISTAN SAHIWAL LAHORE

روزنامہ جمہورستان لاہور ۔ ساہیوال
بانی غلام محمد کھرل (مرحوم)
رجسٹریشن نمبر 2985 اسلام آباد
چیف ایڈیٹر پرویز احمد کھرل (مرحوم)
رجسٹرڈ ایل نمبر 294
چیف ایڈیٹر رائے نوید احمد کھرل
Mobile # 0321-0300/9695392

جلد نمبر: 54 | یکم اپریل 2016ء قیمت 25 روپے | شمارہ نمبر: 80

سالانہ ممبر شپ 300 روپے

ذرا سوچنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔!!

تحریر: ۔ امتیاز عاصم

ہمارے خاندانوں میں روایت زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے بلکہ یہ روایت ہمارے معاشرے کا حصہ بن چکی ہے ہمارے ہاں جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو قریبی اہل وعیال اور دوست احباب میں سے اس کا ہاتھ مانگتے ہیں جب کہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ اس ننی سی گڑیا نے دنیا میں ٹھیک طرح سے آنکھ بھی نہیں کھولی اور اپنی بیٹی بنانے کے خواب دیکھنا شروع کر دیتے ہیں جبکہ اس بچی کو اپنا آپ ٹھیک طرح سے پتہ نہیں ہوتا اس کا باپ کون ہے اور اس کی ماں کون ہے اور اس کی زندگی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے حوا کی بیٹی کسی گھر کے لئے مانگ لی جاتی ہے پھر کہا جاتا ہے کہ یہ میری بہو بنے گی جیسے ہی بیٹی اپنے ہوش وحواس سنبھالتی ہے تو اس کو بتایا جاتا ہے کہ فلاں رشتہ دار کے بیٹے کیلئے آپ کو مانگ لیا گیا تھا جب آپ دنیا میں آئی تھی ۔تو حوا کی بیٹی اپنے شہزادے کے لئے خواب دیکھنا شروع کر دیتی ہے پھر وہ چھپ کر دلہن بنتی ہے آئینہ میں اپنے آپ کو بار بار دیکھتی ہے کبھی اپنی سہیلیوں سے پوچھتی ہے کہ اس کے خوابوں کا شہزادہ اس کو ڈولی میں بٹھا کر لے جائے گا بدنصیب کو پتہ نہیں ہوتا اس کے خوابوں کا شہزادہ کسی اور شہزادی کو اپنی رانی بنان چاہتا ہے اسی طرح کئی خاندانوں کی شہزادیوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ والدین نے ان کو خواب دکھائے ہوتے ہیں وہ شہزادیاں کسی اور شہزادوں کو پسند کر لیتی ہیں ۔اس کا نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ بہت سے خاندان نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں اور معاشرے پر غلط اثرات مرتب ہو جاتے ہیں یہ ایک خاندان کی کہانی نہیں ہے یہ ہمارے معاشرے کے ہزاروں خاندان کی کہانی ہے جس سے ہر سال ہزاروں خاندان تباہ ہو جاتے ہیں اور معصوم جانیں لقمہ اجل بن جاتی ہیں یہ صرف ہماری سوچ کی وجہ سے خدارا ایسی سوچ کا مکمل طور پر خاتمہ ہونا چاہیے ۔تمام والدین سے التماس ہے ان معصوم بیٹیوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں وہ دودھ پیتی حوارہ کی بیٹی کو کیا پتہ کہ اس کو کس بندھن میں باندھ دیا گیا ہے آخر میں یہ ضرور لکھوں گا خوارہ معصوم دلوں کے ارمانوں سے نہ کھیلیں نہ ہی خاندانوں میں نفرتیں پھیلائیں ۔

مایوسی گناہ ہے

وہ اپنا بنا کے کیوں چھوڑ گیا
شاید تم اس کے قابل نہ تھے

تحریر: ۔ شعیب عالم

اس لیے ہم نے یہ جملہ یا یہ مصرے لکھ کر اپنے آپ کو یہ کہنا اور یہ لکھنا اور بیان کرنا غلط ہے کہ وہ مجھ کو چھوڑ گیا اور شاید میں اسکے قابل نہ تھا ۔انسان ایک ایسی شخصیت ہے جس کا وجود دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد بھی باقی رکھنے کا انتظام کر رکھا ہے انسان مایوسی کی طرف چلا جائے اور اس قسم کے جملوں کی طرف اپنا دماغ لے آئے تو وہ انسان اپنے آپ کو قابو نہیں کر پاتا ۔انسان کو ہمیشہ ایک نئی رہ استوار رکھنا ہوگی اور بنی نو انسان کو خوشیاں دینے کے لیے نئی سوچ اور روشن خیالی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے آپ کو تبدیل کرنا ہوگا جس میں انسان کی صرف اپنی ذات محور ہے ۔کاش ہمارا معاشرہ اور لوگ نئی راہ پر گامزن ہونا سیکھ لیں جس سے معاشرے میں نئی سوچ بیدار ہو سکے اور ہم پرانی سوچ سے نکل سکیں ۔اس معاشرے کے اندر سے یا تو ہم سب نکلنا نہیں چاہ رہے یا پھر ہم بہت زیادہ پھنس چکے ہیں ۔ اس بات پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کو اسکا پتہ ہے کہ یہ ہماری سوچ ہے مگر ۔ پھر ہماری سوچ تبدیل کیوں نہیں ہوگی ؟ یا پھر ہم سوچ تبدیل کرنا نہیں چاہتے ؟ پھر ہم اپنے آپ کو قصوروار کیوں ٹھہراتے ہیں مگر ہمارہ کوئی قصور نہیں ہوتا جس نے آپ کی زندگی سے جانا ہے چلے جانا ہے اور جس نے نہیں جانا وہ نہیں جاتا ۔ یہ صرف ایک زندگی کے گزرنے اور وقت گزرنے کے باعث ہے ۔اگر ہم کو اس کی سمجھ آجائے اور انسان اس کے متعلق سوچنا شروع کر دیں اور اس عمل کے اوپر دماغی بوجھ کو کم کر دیں ۔انسان اس چیز کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے آپ کو صرف الزام دیتا ہے کہ میں ہی مجرم ہوں اور جو ہوا میری وجہ سے ہوا ہے مگر اپنی کوئی بات نہیں ہوتی یہی باتیں انسان کے اندر اتنا بڑا جنگل بنا لیتی ہیں کہ انسان پھر اپنی زندگی کو ختم کرنے کے متعلق سوچتا ہے کہ اچھے دن زندگی میں کب آئیں گے اور روزانہ مرنے کی نئی سے نئی تراکیب سوچتا ہے ۔ اگر انسان اپنے نفس کی جنگ لڑنے میں کامیاب ہو جائے تو انسان بہت سی منزلیں طے کر پاتا ہے یہ عمل صرف برداشت سے پیدا ہوتا ہے ۔ برداشت صرف اللہ کے ذکر سے پیدا ہوتی ہے اور جب انسان خدا سے اپنا بھروسہ اٹھا لیتا ہے تو مایوسی کے تنگ و تاریک دروازوں میں گھس جاتا ہے ۔انسان اپنے آپ ہی کمزور ہوتا جاتا ہے انسان خود با خود خواہشات کی طرف دھنتا جاتا ہے ۔ خواہشات نہ پوری ہونے سے مایوسی سامنے آتی ہے اور خودکشی کا عمل وجود میں آتا ہے ۔ روزانہ پتہ نہیں کتنے لوگ اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم موت کے بعد دنیاوی مشکلات سے چھٹکارا حاصل کر لیں مگر ایسا ہونا ناممکن ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے دہرے عذاب میں پھنس جاتا ہے مگر انسان کو اس بات کا پتہ نہیں میرے ساتھ آگے کیا ہونے والا ہے ؟ اگر انسان کو اپنے انجام کی خبر ہو تو ایسا جرم نہ ہی کرے ۔ بہت سے لوگ اپنے آپ کو دنیاوی خواہشات پورا نہ ہونے پر اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں ۔خودکشی کرنے والے انسان جب کوئی زہریلی چیز کھا لیتا ہے اس کے بعد زندگی کی طرف دوبارہ لوٹ آنا ناممکن سا ہوتا ہے انسان کچھ وقت کے بعد موت کی طرف جانا شروع ہو جاتا ہے پھر انسان ڈاکٹرز اور اپنے ساتھ کھڑے ماں باپ ،بہن بھائی، دوست احباب کو کہتا ہے خدارا میری مدد کرو میں مرنا نہیں چاہتا ۔ پھر انسان کے پاس وقت ختم ہو جاتا ہے اور موت کی وادی میں چلا جاتا ہے ۔ اس طرح کوئی پانی میں ڈوب کر اور کوئی پھانسی لے کر اپنی جان دے دیتا ہے یہ سب مایوسی کی بدولت عمل انجام پاتے ہیں ۔ بہت سے لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے محبت کر بیٹھتے ہیں جدائی کے غم میں نڈھال ہو جاتے ہیں اور حقیقت کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پاتے اور موت کو گلے لگا لیتے ہیں ۔ ہمارے سب کے نبی ﷺ نے اپنے اللہ سے عشق کیا اور کیا کیا تکلیفیں برداشت نہیں کیں اور ہمارے لیے دینِ اسلام لے کر آئے اور ہم نے دین اسلام پر مکمل تعلیمات نہ لینے کی وجہ سے اپنے آپ کو دنیا کے اتنا حوالے کر دیا ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی ۔ بہت سے لوگ جب گھر میں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کو لاوارث کر کے کسی کے دروازے پر یا کسی گلی کی نکر پر چھوڑ آتے ہیں اور اگر بچی ہسپتال میں پیدا ہوتی ہے تو ادھر ہی چھوڑ آتے ہیں اپنی ننھی سی گڑیا کو ایسے پھینکتے ہیں جیسے وہ گندگی کا ڈھیر ہو ۔ کیا ہم مسلمان ہیں ؟ کیا ہمارے مذہب اسلام نے یہ تعلیم دی ہے ؟ کوئی بے روزگاری سے تنگ آ کر گھر کا سربراہ خودکشی کر لیتا ہے ۔ پاکستان میں ہر سال لوگ اپنے ہی ہاتھ سے اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں صرف مایوسی کی وجہ سے ۔ اسلام میں مایوسی کا تصور نہیں ہے ۔اسلام میں صرف صبر اور عفو ودرگزر کرنے کا تصور قائم ہے جس مسلمان کا ایمان اپنے اللہ تعالیٰ پر مضبوط ہوگا وہ کبھی صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا کامیابی اس کا مقدر بنے گی ۔ جس کا ایمان کمزور ہوگا وہی خودکشی جیسا عمل کرے گا جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے ۔

گلابی جوڑا (افسانہ)

تحریر؛ ثمینہ فیاض

ہما اپنے گھر کے کاموں میں مصروف تھی اس نے جلدی جلدی گھر بھر کی صفائی کی، برتن دھوئے ،ہنڈیا چڑھائی واشنگ مشین سے کپڑے لگائے اور اپنے اکلوتے اچھے جوڑے گلابی رنگ کے جوڑے پر سفید رنگ کی ریشم کی کڑھائی سے خوبصورت پھول بنے ہوئے تھے اسکواستری کر کے ہینگر میں لٹکا دیا ہما کا تعلق ایک لور مڈل کلاس فیملی سے تھا اس کا شوہر اک سرکاری دفتر میں کلرک تھا پانچ وقت نمازی اور دین کی طرف زیادہ رغبت ہونے کی وجہ سے رشوت بھی نہیں لیتا تھا حالانکہ اس کے ساتھی اس کے مقابلے میں بہت زیادہ آسائش سے زندگی گزار رہے تھے ہما بھی اپنے شوہر کی ایمانداری اور قناعت پسندی میں خوش تھی کبھی کوئی بے جا فرمائش نہیں کرتی تھی ہما کا شوہر صابر اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور صابر کے بچپن میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اپنی یتیمی کا دکھ اور اپنی ماں کو کڑی محنت کرتے دیکھنا اور کپڑے سی کر اسے پالنا صابر کو بہت حد تک کم گو اور سنجیدہ بنا گیا تھا یہ صابر کی ماں کی تربیت کا اثر تھا کہ وہ اپنے نام کی طرح صابر اور شاکر ہو گیا تھا کبھی کسی بات پر جھگڑا نہیں کرتا تھا جو ملتا خوش ہو کر اور اپنے رب کا شکر ادا کر کے کھا لیتا تھا اور جیسا کی قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے تمہارے جیسا ہی ساتھی بنایا ہے یعنی اچھے مردوں کے لیے اچھی عورتیں اور برے مردوں کیلیے بری عورتیں ہما اور صابر بھی اسی طرح اک دوسرے کے لیے بنائے گئے تھے آج محلے میں اک گھر میں میلاد تھا اور ہما کی بھی دعوت آئی تھی عصر کے بعد ہما کو میلاد میں جانا تھا ہما اک بہت خوش اخلاق اور ملنسار لڑکی تھی ہر اک اس کے اخلاق کے گن گاتا اور اس سے مرعوب ہو جاتا تھا گو کہ پیسہ کی فراوانی نہیں تھی مگر اس کے اخلاق اور ہنس مکھ انداز نے اس کی اس کمی کو دور کر دیا تھا لوگوں کو اس کی خوش مزاجی اس کے قریب کر دیتی تھی اور اس نے کیا پہنا ہے کیا اوڑھا ہے کوئی اس طرف زیادہ دھیان بھی نہیں دیتا تھا پھر سب ہی مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھتے تھے کوئی بہت ہائی فائی علاقہ تو تھا نہیں بہر حال جب شام میں وہ اپنے اسی گلابی جوڑے کو پہن کر تیار ہوئی اور سلیقے سے ہلکا سا میک اپ کر کے اچھی لگ رہی تھی صابر کو شام کی چائے دینے کے بعد وہ بدو خالہ کے گھر میلاد میں چلی گئی محلے کی بہت سی خواتین آئی ہوئی تھیں وہ سب سے فرداً فرداً ملی اِس کے ملنے کا انداز کچھ اتنا اچھا ہوتا تھا کہ اداس سے اداس انسان بھی اس سے مل کر خوش ہو جاتا تھا یہ دنیا بہت عجیب سی ہے کسی کا اچھا ہونا بھی کچھ لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے اور یہی ہما کے ساتھ ہوا محلے کی بہت سی خواتین اس کی ملنساری کی اتنی تعریفیں کرتیں تو کچھ خواتین اس سے جلنے بھی لگیں کہ اس میں ایسا کیا ہے جو ہم سے زیادہ اسے اہمیت ملتی ہے حالانکہ ہم اس سے اچھا اوڑھتے پہنتے ہیں ان ہی چند خواتین میں اسکی اِک پڑوسن شمع بھی تھیں جن کی تین بیٹیاں تھیں جن میں سے دو بیاہ کر اپنے گھر چلی گئیں تھیں اک ابھی باقی تھی ۔شمع اور ان کی بیٹی افشاں دونوں کسی بھی جگہ جاتیں لوگوں کی غیبتیں کرنے اور مزاق اڑانے میں آگے آگے رہتیں ہر اک پر طنز کرنا ان کی فطرت میں شامل تھا یہی وجہ تھی کہ لوگ ان سے ذرا دور رہنا ہی پسند کرتے تھے وہ کہیں بھی کسی محفل میں چلیں جاتیں تو اکثر لوگ انہیں نظر انداز کر کے یا پھر اپنی جان چھڑواتے اور مروت میں سلام کر لیتے اور پھر ان سے جان چھڑانے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے آگے بڑھ جاتے اور ایسے میں جب یہ دونوں ماں بیٹی یہ دیکھتیں کہ لوگ ہما کے گرد سے ہٹتے نہیں اور کوئی نہ کوئی مستقل اس کے پاس کھڑی یا بیٹھی ہے تو ان دونوں کو بہت جلن ہوتی ان کا بس نہیں چلتا کہ ہما کا کس طرح مذاق اڑائیں اگر کبھی اس کا مذاق اڑانے لگتیں یا لگائی بجھائی کرتیں کہ آپ کے بارے میں ہما یہ کہہ رہی تھی تو کوئی بھی یقین نا کرتا سب کا ایک ہی جواب ہوتا وہ تو بہت اچھی ہے وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے وہ بہت ملنسار ہے وہ ایسا نہیں کر سکتی آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، دونوں بہت زیادہ جلتیں اور جل کر کہتیں کہ یہ تو جادوگرنی ہے پتہ نہیں ایسا کیا جادو کیا ہے لوگوں پر کہ اب لوگ اس کے اردگرد ہی رہتے ہیں ہم کتنی ہی برائی کر لیں وہ ہٹتے ہی نہیں ۔عصر کی نماز کے بعد ہما، بدو خالہ کے یہاں میلاد میں چلی گئی تو حسب معمول سب سے ملی اور سب ہی اس سے ملنے لگیں وہ بھی ہنس ہنس کر سب کی خیریت دریافت کر رہی تھی ۔شاہدہ باجی آپ کی بیٹی بانو کیسی ہے میں گھر کے کاموں میں مصروف تھی دو دن سے سوچ رہی ہوں آپ کے گھر آنے کا سنا تھا کہ اسے بخار ہو گیا تھا شاہدہ باجی بھی بڑے لہک کر بولیں ؛ ارے کوئی بات نہیں ظاہر ہے تم بھی اپنے گھر بار میں مصروف ہو ویسے وہ اب ٹھیک ہے دو دن میں ڈاکٹر کی دوا سے بخار تو اتر گیا ہے بس ذرا کمزوری ہے دو دن میں پیلی پڑ گئی بچی، ہما: ہاں یہ تو ہے اسے اب زیادہ اچھا کھانا کھلائے گا ٹھیک ہو جائے گی جلد ہی ہما اب حمیدہ خالہ سے مخاطب ہوئی اور حمیدہ خالہ خالو کیسے ہیں؟ میں نے صابر سے ان کی دوا منگوادی ہے کل صبح آپ کے گھر دے جاوں گی ۔حمیدہ خالہ بلائیں لیتے ہوئے ،اے جیتی رہے میرے بچی تم دونوں میاں بیوی تو میرے بچوں کی طرح ہو تم دونوں کو بہت سی خوشیاں ملیں سدا سکھی رہو آباد رہو ورنہ میں اس بڑھاپے میں کہاں سرکاری اسپتالوں میں دواؤں کے لیے خوار ہوتی پھرتی ہما اب شازیہ سے مخاطب تھی شازیہ بھابی کیسی ہیں آپ؟ آپ کے بھائی کی شادی تھی نا کیسی رہی سب کام اچھے سے ہو گئے اصل میں ہمارے اک دور کے رشتے دار ہیں ان کے گھر فوتگی ہو گئی تھی تو وہاں جانا ضروری ہو گیا تھا ورنہ میں ضرور آتی شازیہ؛ ارے کوئی بات نہیں میں ناراض تھوڑی ہوں ویسے بھی اسی لیے ہی تو کہتے ہیں کہ بھلے کسی کی خوشی میں شامل نہ ہو دکھ میں ضرور شامل ہونا چاہیے ہاں سب اچھے سے ہو گیا دلہن تو بہت ہی پیاری لگ رہی تھی تم نے جوڑا بھی تو بہت پیارا سا تھا اور سب میرے جوڑے کی بھی بہت تعریف کر رہے تھے میں نے تو کہہ دیا کہ بھئی میں کسی ایسے ویسے ٹیلر سے نہیں سلواتی میرے کپڑے تو ہما ہی سیتی ہے میلاد کی محفل شروع ہو رہی تھی سب خاموش ہو کر بیٹھ گئیں پوری میلاد کی محفل میں دونوں ماں بیٹیاں شمع اور افشاں جلتی رہیں میلاد ختم ہوا اور ابھی کھانا لگا ہی تھا کہ شمع ہما کے پاس آئیں بھئی کب تک یہی اک جوڑا پہنتی رہو گی آنکھیں دکھ گیں ہیں ہماری تو اسے دیکھتے دیکھتے ایسی کنجوسی بھی اچھی نہیں ہوتی اور دونوں ماں بیٹیاں زور زور سے ہنسنے لگیں ہما کو کبھی کسی سے حسد جلن نہیں ہوئی تھی لیکن ان کے مزاق اڑانے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ اسے بہت تکلیف ہوئی اندر ہی اندر کچھ ٹوٹا تھا اور اس کہ دل سے اس وقت بد دعا نکلی اے میرے مالک تو ہی ان کو ان کے اس شر کا جواب دے میں نہیں دے سکتی ان دونوں ماں بیٹیوں کی دیکھا دیکھی اور محلے کی اک دو خواتین بھی ہنسنے لگیں اور کہنے لگیں ہاں بھئی سب کے کپڑے سیتی ہو کبھی اپنے لیے بھی سی لیا کرو پھر بھی ہما نے ہمت سے کام لیا اور ہنستے ہوئے کہا واہ بھئی میرا اپنا جوڑا ہے جتنی بار چاہوں گی پہنوں گی کسی سے مانگ کر تھوڑی پہنا ہے جو اک بار پہن کر واپس کر دوں اور ویسے بھی زیادہ کپڑے بناوں گی تو اوپر جا کر حساب تو مجھے ہی دینا پڑے گا میں تو ایسے ہی خوش ہوں اور پھر دوسری باتوں میں بات آئی گئی ہو گئی گھر آ کر بھی ہما کے دل میں یہ بات چبھی رہی اسے رونا آ رہا تھا مگر صابر کے سامنے خود پر قابو رکھا اور اسے کچھ نہ کہا مگر دل ہی دل میں اک ارادہ کر لیا تھا کہ وہ کچھ گھر بیٹھے کام کرے گی جس سے آمدنی بڑھے وہ لوگ سو گئے آدھی رات کو محلے میں شور مچا تھا ہما اور صابر کی بھی آنکھ کھلی باہر جا کر دیکھا تو آگ لگ گئی آگ لگ گئی شمع کے گھر آگ لگی ہوئی تھی فائر بریگیڈ کو فون کیا گیا تھا مگر اسے آتے آتے بھی ٹائم لگتا تو لوگ اپنی مدد آپ کے تحت پانی اور مٹی کی بالٹیوں کی مدد سے گھر پر ڈالتے رہے مگر بے سود آگ تھی کہ کسی طرح قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی آگ بجھاتے بجھاتے شمع اور ان کی بیٹی تھوڑی جل بھی گئیں شمع کے شوہر کیونکہ دبئی میں پلمبری کا کام کرتے تھے اسی لیے یہ دونوں ماں بیٹیاں اکیلی رہتی تھیں لوگوں نے ان دونوں کو تو بچا لیا تھا مگر وہ اب اپنے ادھ جلے کپڑوں سمیت اپنے راکھ ہوتے گھر کو دیکھ رہیں تھیں فائر بریگیڈ کی گاڑی کو آنے میں دیر ہو گئی اور ان کا گھر راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا ان کے برے رویے اور لگائی بجھائی کی عادت اور مزاق اڑانے کی فطرت کی وجہ سے لوگ ان سے کٹتے تھے ایسے میں آدھی رات کو کون ان کو پناہ دیتا محلے میں کوئی بھی انہیں اپنے گھر لے جانے پر راضی نہیں تھا ایسے میں ہما نے انہیں اپنے گھر میں پناہ دی اور چونکہ اس کے پاس ۳ ہی جوڑے کپڑے تھے جس میں سے اک وہ پہنی ہوئے تھی اور لان کا اک معمولی جوڑا جو وہ گھر میں پہنتی تھی اور پھر وہی گلابی جوڑا تھا اس نے ان دونوں سے معزرت کے ساتھ وہ دونوں جوڑے دیے کہ ان کے علاوہ اور کوئی کپڑے میرے پاس نہیں ہیں ان ماں بیٹی کو محظ چند گھنٹے پہلے بولے گئے اپنے الفاظ یاد آ گئے کہ کس طرح انہوں نے کچھ دیر پہلے اس کی تزلیل کی تھی اور اب اسی لڑکی کی اترن پہنی پڑ رہی ہے انہوں نے ہما سے اپنی ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ معافی مانگی ان کی آنکھیں غم اور ندامت سے جھکی جاتیں تھیں بھیگی انکھوں سے وہ کہہ رہی تھیں ہم نے ہمارے بڑے بول کی سزا پائی ہے تمہارا تو واقعی اپنا جوڑا تھا یہ اور ہم نے تو مانگے کے کپڑے پہنے ہیں ہمیں معاف کردو ---- ہمیں معاف کردو ---- ہمیں معاف کردو۔

☆☆☆

انتظار

تحریر: ۔ محمد ابوھریرہ بلوچ آف بہاولنگر

صبا کی ماں سائرہ اسے ڈھونڈتے ہوئے اس کے کمرے تک آئی تو ایک دم جیسے چونک پڑی اس کے پاؤں زمین سے چپٹ گئے ۔اندر صبا ابوذر کی تصویر کو سامنے رکھے راز و نیاز میں اس قدر مگن و محو تھی کہ اسے اپنی والدہ کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو سکا ---برسات کیطرح بہتے آنسو صبا کے گالوں کو مسلسل بھگو رہے تھے جس کی وجہ سے اس کے نسوانی میں انتشار پیدا ہو چکا ہے ہچکیوں کی آواز واضح سنائی دے رہی تھی سائرہ کچھ دیر ساکت وجامد کھڑی بیٹی کی حالت راز دیکھتی رہی لیکن جب ضبط کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو وہ وہاں سے مڑی اور اپنے خاوند خوشی محمد کے کمرے کی طرف چل دی اندر خوشی محمد صاحب کسی کتاب کے مطالعے میں مستغرق نظر آئے آجی سنتے ہو ! سائرہ نے اسے متوجہ کیا تو انہوں نے کتاب بند کی اور بیوی کیطرف دیکھنے لگے ---یہ مجھ سے صبا کی حالت دیکھی نہیں جاتی پچھلے بارہ سال سے یہ اندر ہی اندر انتظار کی بھٹی میں جل بھن رہی ہے ۔ہم کب تک اسے یوں بٹھائے رکھیں گے بہت کچھ بدل چکا ہے شاید ابوذر اور اس کے گھر والے بھی بارہ سال کا عرصہ بہت ہوتا انتظار کیلئے اب ہمیں بغیر تاخیر کئے کوئی اچھا سا لڑکا ڈھونڈ کر اس کے ہاتھ پیلے کر دینے چاہئے میں جیتے جی اپنی بیٹی کو دلہن بنا دیکھنا چاہتی ہوں ۔سائرہ کی آواز اگر جذبات میں رندھ گئی تو وہ سر جھکا بلک بلک کر رونے لگی ارے اللہ کی بندی اپنے فرض سے سبکدوشی کا خواہاں میں تجھ سے زیادہ ہوں ان دونوں کی منگنی ہو چکی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے پیار بھی کرتے ہیں میرے خیال میں ایسا قدم اُٹھا کر ہم ان پر زیادتی کریں گے ۔ لیکن پھر بھی رات کے کھانے پر ہم صبا سے اس موضوع پر بات کر کے دیکھیں گے اگر وہ تمہارے ہم خیال نکلی تو میں جھٹ منگنی پٹ وباہ والا معاملہ کروں گا ۔دعا کرو ایسا ہی ہو سائرہ کی آواز ابھری اور پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی ۔ابوذر اور صبا آپس میں کزن تھے آج سے بارہ سال قبل جب صبا کی عمر سات سال تھی دونوں کو منگنی کے رشتے سے جوڑ دیا کیونکہ خوشی محمد اور محمد اختر علی نے دوستی کو رشتہ داری میں بدلنے کی اس سے اچھی کوئی ترکیب نہیں سوجھی تھی اور ویسے بھی دونوں ہم عمر تھے ساتھ پڑھے ساتھ کھیلے دونوں کو ایک دوسرے سے لگاؤ تھا لیکن پھر اچانک اختر علی کو بزنس کے سلسلے میں دوسرے ملک جانا پڑا جاتے ہوئے انہوں نے اپنے دوست سے وعدہ کیا کہ آپ کی بیٹی اب ہماری بہو ہے وہاں سے واپس ہوتے ہی میں اپنے بیٹے سے صبا کی شادی کروا دوں گا ۔اور تب سے لیکر آج تک بارہ سال ہو گئے تھے کہ صبا اور والدین انتظار کی چکی میں پس رہے تھے اختر علی اور اس کی فیملی ایسے گئے تھے کہ پلٹ کر خبر لینا بھی بھول گئے بس چھ مہینے یا سال بعد انٹرنیٹ پر بات ہو جاتی تھی لیکن انہوں نے کبھی واپس آنے کا ذکر نہیں کیا تھا اور نہ ہی خوشی محمد نے پوچھنے کی زحمت محسوس کی ۔کھانے کی ٹیبل پر خوشی محمد نے اگلا کھنکار کر جب کہ وہ سب جمع تھے بات شروع کی صبا بیٹی اب تو انیس سال کی ہو چکی ہے میں اور تیری ماں نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر تیرے ہاتھ پیلے کر دیئے جائیں ۔اس بارے میں تمہارا کیا کہنا ہے؟ صبا نے دونوں کو حیرت سے دیکھا اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے ماں باپ ایسی باتیں کر سکتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ میری اور ابوذر کی منگنی ہو چکی ہے اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے اور بولی جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں زمین پر اس کے صرف فیصلے ہوتے ہیں میری اور ابوذر کی جوڑی بارہ سال قبل بن چکی ہے اب کسی بھی لمحے اس کا فیصلہ ہونا متوقع ہے ۔آپ ان کا انتظار کرتے تھک چکے ہوں گے لیکن میں نہیں ایک لڑکی زندگی میں صرف ایک ہی شخص سے پیار کرتی ہے اور وہ میں ابوذر سے کر چکی ہوں اب کسی اور کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتی ہوں میرا دل اب ابوذر کیلئے ہی دھڑکتا ہے پھر بھی اگر آپ زبردستی اپنے فیصلے کی تکمیل اور اس پر عمل درآمد کرنا چاہیں تو میں کوئی احتجاج نہیں کرونگی لیکن اس رشتے میں میری ایک فیصد بھی رضامندی اور خوشی نہیں ہوگی ۔ آپ کا فیصلہ میں صرف باپ ہونے کے سبب قبول کروں گی صبا خاموش ہو گئی دل کا غبار جیسے چھٹ گیا ،،،،باولی ہو چکی ہے یہ لڑکی ،،،،آج کل پیار محبت عشق کے قصے صرف کتابوں میں ملتے ہیں تیری بھوسہ بھری کھوپڑی میں یہ بات نہیں آ رہی کہ جس ابوذر کیلئے تو پل پل مر رہی ہے اس نے ایک بار بھی تم سے رابطہ کرنے کی کوشش تک نہیں کی تم یہ بھول رہی ہو کہ وہ دوسرے ملک میں ہے ۔ہو سکتا ہے وہاں اس نے کسی دوسری لڑکی کو پسند کر لیا ہو شہر کی رنگینیاں اسے بھا گئی ہوں سائرہ بیٹی کی باتوں پر اچھل ہی پڑی تھی تو اس نے بھی بیٹی کو حقیقت کا آئینہ دکھا کر دل کا غبار نکال دی تھا ۔"خاموش رہو تم سائرہ ہم کسی پر زبردستی نہیں کر سکتے" باپ خوشی محمد نے بیٹی کا جھکا سر دیکھا تو ڈانٹ کو بیوی کو بیٹی کی سائیڈ ل صبا کے دل میں یہ باتیں برچھیاں بن کر اتر رہی تھیں یہ حقیقت تھی کہ ابوذر نے اس کی خبر نہ لی تھی اور ماں کا خیال بھی تو غلط نہیں تھا جب اس سے برداشت نہ ہو سکا تو روتی ہوئی اٹھی اور اپنے کمرے کو دوڑ گئی ماں اور باپ اسے آوازیں دیتے رہ گئے ۔"کب عقل آئے گی تمہیں سائرہ ! بچی ہے وہ اگر غصے میں آ کر اس نے کوئی غلط قدم اٹھا لیا تو اس کی ذمہ دار تم ہوگی" ۔"بیگم سامان پیک کرو کل ہم پاکستان جا رہے ہیں جہاں مجھے اپنے جگری دوست سے کئے وعدے کو نبھانا ہے" ۔ اختر علی بیگم کے کمرے میں داخل ہوئے تو بات شروع کی ----" ہیں ! ---- آپ جانتے بھی ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں اس جنت جیسی زندگی کو چھوڑ کر جہاں ہر چیز کی فراوانی ہے کون جہنم جیسے ملک میں جانا چاہے گا جہاں کرپشن ،دہشت گردی، لوٹ مار اور نہ جانے کیسے کیسے روح فرسا واقعات آئے دن وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں ۔ نہ بابا نہ میں یہاں سے کہیں نہیں جانے والی ---- اور ہاں رہا آپکے وعدہ نبھانے کا سوال تو اس سے میں بالکل زحمت نہیں ہوں ہمارا بیٹا ابوذر ایجوکیٹڈ لڑکا ہے اچھی نوکری ہے سمارٹ پرفیکٹ ہے اس کیلئے میں ایک سے ایک رشتوں کی لائن لگا دوں گا اور آپ اسے اس گاؤں کی مڈل کلاس لڑکی سے جوڑنا چاہتے ہیں جسے ہماری سوسائٹی میں رہنے کا ڈھنگ ہی نہیں ہے ۔آپ کے فیصلے سے آپ کا بیٹا بھی متفق نہیں ہوگا" ۔تم کونسا جدی پشتی شہری ہو اپنی اوقات مت بھولو، بادشاہ سے فقیر بننے میں ذرا دیر نہیں لگتی ہم پاکستان ضرور جائیں گے اور رہا بیٹے رضامندی کا سوال تو میں اسے مجبور نہیں کروں گا ۔ اسے اپنی پسند کا پورا حق حاصل ہوگا میں چاہتا ہوں کہ وہ صرف اسے ایک نظر دیکھ لے اگر وہ اسے اپنی پسند اچھی نہ لگی تو جبر میں بھی اس پر نہیں کروں گا ۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسی نوبت نہیں آئے گی ۔ اختر علی نے بیوی کی لمبی چوڑی تقریر سن کر اپنی بات کہ ڈالی اور اگر میں پاکستان نہ جانا چاہوں تو بیگم نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا ۔ تو میں اپنی ساری جائیداد جس میں تم عیش کر رہی ہو اولڈ ہاؤس کے نام کر دوں گا تمہیں محلوں سے سڑک پر آنے میں لمحہ بھی کافی ہوگا ایک میں ساری اکڑ دھری کی دھری رہ جائے گی ۔ بیوی خاوند کی دھمکی سن کر ڈر گئی نہیں ہم پاکستان ضرور جائیں گے آپ فکر نہ کریں میں کل تک اپنی پیکنگ پوری کر لوں گی تم بے فکر رہو ۔ اچھا کیا جلدی، مان گئی اختر علی اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گئے تو بیگم سوچنے لگی ۔ابوذر کو جب پتہ چلا کہ پاکستان جانا ہے تو اس نے مزاحمت کرنی چاہی کیونکہ وہ بھی اس دنیا میں اپنا ہمسفر ڈھونڈ چکا تھا دیپکا اس کے خوابوں کی شہزادی لیکن باپ کی طرف سے ملی دھمکی سن کر اس کے منہ کو چپ لگ گئی باپ کی جائیداد بھی تو چاہیے تھی اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہاں جاتے ہیں لڑکی کو نہ بول دے گا ماں کی خواہش بھی تو یہی تھی ۔ صبا کے فون پر وائرٹ ہونے لگی سکرین پر نظریں دوڑیں ایمرجنسی تھا اس نے ہچکچاتے ہوئے بس کا بٹن دبایا اور فون کانوں سے لگا لیا ۔ میں تم سے ملنے تمارے ملک پاکستان بہت جلدی آ رہا ہوں ایک سریلی آواز ابھری آپ کون ہیں صبا نے اجنبیت دیکھائی وہ جس کا آپ کو پچھلے بارہ سالوں سے انتظار رہے آپ کا منگیتر ابوذر صبا کے دل کی بنجر زمین جیسے اک دم شاداب ہو گئی اسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے سالوں کا انتظار رنگ لا رہا ہے محبت کا ابر کرم اس زور سے برسا کہ اس کے دل میں سیرابی ہو گی ۔ میں کل تمہارے رو برو ہوں گا انتظار کرنا کال ڈراپ ہو گئی اس نے مسکراتے ہوئے موبائل پرس میں رکھا اتنے سالوں سے انتظار ہی و کر رہی ہوں ابوذر ایک دن مزید اس کی آنکھوں میں خوشی کے مارے آنسو چھلکنے لگے اس نے یہ خوشخبری گھر والوں کو سنائی تو سب کی خوشی قابل دید تھی استقبال کی تیاریاں ہونے لگیں پورے گھر کو سجایا گیا ایسا جیسے دلہن کو گھر لایا جانا ہو حالانکہ دلہن تو گھر ہی تھی بلکہ دولہا آنے والا تھا اختر علی کے کہنے پر ہی ابوذر نے صبا کو کال کی تا کہ اس کا دل رہ ۳ جائے اور غیر حاضری کا بیانہ بھی اگلے دن دو پہر کو ان کی آمد ہوئی ابوذر خوبصورت تھا اسے صبا کی معصومیت اچھی لگی وہ اسے پسند آئی تھی لیکن والدہ کی نصیحت اور گرل فرینڈ دیپکا کی یاد آنے پر وہ صبا کی ساری خوبصورت بھول گیا اور بے رخی سا جراؤ کرنے لگا صبا کا دل کٹ کر رہ گیا کیا بارہ سال انتظار کا یہ پھل ملتا ہے کہ روبروئی ہو تو اجنبیت دیکھائی جائے لیکن وہ یہ سوچ کر صبر کا گھونٹ پی گئی کہ بارہ سال بعد آیا ہے آشنائی ہونے میں تھوڑی دیر تو لگے گی ۔بیگم اختر علی کو یہ سب فضول اور ناقص لگ رہا تھا محلوں اور اے سی میں رہنے والی کو گاؤں کا ماحول اتنی جلدی کیسے بھا سکتا تھا لیکن اس نے بھی یہ کہ کر اپنی معذرت منوالی کہ وہ اتنے سالوں بعد آئی ہے موافقت کیلئے وقت درکار ہوگا سارا گھر ان کی خدمت گزاری کرنے لگا ان کر تنکا توڑنے کی بھی زحمت نہیں کرنی پڑ رہی تھی سب کچھ ایک حکم پر حاضر ہوتا لیکن محمد اختر علی کا رویہ سب سے الگ تھا وہ اتنے جگری دوست خوشی محمد سے مل کر بہت خوش تھے گاؤں کی تازہ ہوا پھل سبزیاں اسے اس بیگانے ملک میں کہاں میسر آنے والی تھیں وہاں کی ہر چیز پیکنگ میں اور مصنوعی تھی جبکہ یہاں قدرتی اور تازہ خوشی محمد میں اپنی فیملی کو یہاں اس لئے لایا ہوں کہ انہیں تم میں گھل مل کر ماحول سے انسبت ہو جائے اس دوران ابوزر اور صبا بھی ایک دوسرے کو جان اور سمجھ لیں گے ۔ ایک دن جاگنگ کرتے ہوئے اختر علی نے خوشی محمد سے بات کی تو وہ بولے دعا کرو خدائی فیصلہ تمہاری سوچ کے مطابق ہو ۔دن گزرتے گئے ابوذر کو رہ رہ کر اپنی گرل فرینڈ دیپکا کی یاد ستانے لگی اتنی دور رہ کر بھی وہ اس کی قربت کے لمحوں کو محسوس کر سکتا تھا اس کی زلفیں اس کی رنگت اس کی تنہائی کی چھیڑ چھاڑ "آہ" وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتا رات کو انٹرنیٹ کے ذریعے سکائپ کر ان کی آنلین میں بات ہوتی تو دیپکا روز اس سے اس کی واپسی کے بارے میں دریافت کرتی وہ ہر بار اسے یہ کہہ کر ٹرخا دیتا کہ ایک دو دن میں لوٹ آؤں گا ایسا کرتے ہوئے مہینہ گزر چکا تھا وہ اپنے باپ سے بغاوت کر کے بھی واپس نہیں جا سکتا تھا صبا لاکھ خدمت کر کے بھی ابوذر کے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی لیکن اس نے کوشش نہیں چھوڑی تھی آہستہ آہستہ دیپکا نے بھی بے رخی برتنی شروع کر دی وہ اسے نیٹ پر بھی وقت کم دینے لگی اس کا بدلتا ڈیڈ ہم کب تک یہاں رہیں گے ابوذر ایک دن اپنے باپ کو اکیلا بیٹھا دیکھ کر سوال کر بیٹھا کم سے کم چھ مہینے اور باپ نے مختصر جواب دیا اور دوبارہ اپنے کام میں لگ گیا ابوذر کا منہ حیرت اور پریشانی سے کھلے کا کھلا رہ گیا دیپکا سے چھ مہینے مزید دوری برداشت کرنی پڑے گی نہیں ایسا ممکن نہیں تھا ۔ایک مہینہ بھی کرب میں گزرا تھا اب چھ مہینے مزید ایسا نہیں کہ صبا اس کا خیال نہیں رکھتی تھی کہ تنہائی میں اسے دیپکا یاد آتی بس وہ صبا کو اس کے قابل جگہ نہیں دے رہا تھا وہ ہمیشہ اس سے بے رخی سے بات کرتا لیکن صبا بجائے غصہ ہونے کے درگزر سے کام لے جاتی ۔ آج رات جب ابوزر کی دیپکا سے بات ہوئی تو اس نے اپنے ابو کی بات کو دوہرا دیا "دیپکا ڈیڈ کہتے ہیں ہم مہینے تک یہاں رہیں گے" وہ سمجھ رہا تھا کہ دیپکا اسے تسلی دے گی اور کہے گی کہ "جان کوئی بات نہیں میں انتظار کر لوں گی" ۔مگر سب کچھ اس کی سوچ کے برعکس ہوا وہ اس پر پھٹ پڑی "میں تمہارے لئے اتنا انتظار نہیں کر سکتی اپنی زندگی میں آگے بڑھنے کیلئے مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت نہیں تم سے اچھے بھی بہت مل جائیں گے" ۔اس کا دماغ چکرا گیا وہ جس سے محبت کے دعوے کرتا ہے وہ اس کیلئے چھ مہینے انتظار نہیں کر سکتی اور صبا جو کہ محض منگنی کے رشتے کو نبھاتے ہوئے بارہ سال سے انتظار کر رہی ہے حقیقی محبت کا مفہوم اس کے دماغ میں اتر گیا اس نے صبا کو اپنے سامنے بٹھا کر بات کی "صبا ان بارہ سالوں میں تمہیں ایک دفعہ بھی بات ذہن میں نہیں آئی کہ مجھ سے اچھے بھی تمہیں مل سکتے تھے جن کے ساتھ تم زندگی کے سفر پر نکل سکتی تھی لیکن بارہ سال کا انتظار محض میرے لئے کیا مشکل نہیں تھا ۔"ابوذر امید پر دنیا قائم ہے میری امید قومی تھی کہ تم آؤ گے ہماری محبت بچپن کی ہے جسے بھلا نا کم از کم میرے لئے تو بہت دشوار تھا اور جب میں تمہارے نام لگ گئی تھی تو کسی دوسرے کو ہمسفر بنانے کا خیال بھی میرے دل میں کیسے آنا اور ویسے بھی انتظار کا اپنا ہی مزا ہے تم میرا کب تک انتظار کر سکتی ہو بات کے ختم ہوتے ہی اس نے دوسرا سوال داغا لیکن جو کچھ اس نے سنا اس سے اس کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگ گئی ۔"ساری عمر ابوذر ساری عمر" اس کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا صبا کی آنکھوں میں سچائی تھی اسے اپنی حقیقی محبت مل گئی تھی اس کی منگیتر صبا اس نے باپ سے ملکر صبا سے شادی کی رضامندی ظاہر کر دی سائرہ بھی خوشی محمد اور صبا کے اخلاق اور خدمت کی گرویدہ ہو چکی تھی ۔ آج تک اس کے بیٹے نے اتنا وقت نہیں دیا تھا جتنا کہ صبا نے اس نے بیٹے کے فیصلے کو سراہا صبا کی دھوم دھام سے شادی رچا دی گئی اور یوں اسے اپنے انتظار کا پھل مل گیا اور ابوذر کو اپنے برائے کی صبح پر کھ ۔

چالباز

تحریر: محمد شعیب فیصل آباد

''ایک مہینہ کم تھا کیا جو ایک رات کی مزید مہلت مانگ رہے ہو؟'' سیاہ یونیفورم میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر شخص اپنے سامنے کھڑے ایک تیس سالہ آدمی جو کہ پولیس کی وردی پہنے ہوئے تھا، سے محو گفتگو تھا ''سر۔کل تک وہ دونوں آپ کے سامنے ہونگے، چاہیں زندہ ہوں یا مردہ۔۔۔'' وہ شخص پورے یقین کے ساتھ اس ادھیڑ عمر شخص کے سامنے کہہ رہا تھا۔'' یہ تمہارے پاس صرف لاسٹ وارننگ ہے اگر کل تک تم ان دونوں گناہگاروں کو جیل تک پہنچانے میں ناکام رہے تو اپنا استعفیٰ تیار رکھنا۔'' ''سر ایسا نہیں ہوگا۔'' اس کی آنکھیں دیوار پر مرکوز تھیں'' میں بھی یہی چاہوں گا کہ ایسا نہ ہو ورنہ۔۔۔'' ایک پل توقف کے بعد مزید کہا'' اب تم جا سکتے ہو۔۔'' وہ شخص اس ادھیڑ عمر شخص کو ایک زوردار سلیوٹ کر کے چلا گیا۔تین سیکنڈ میں وہ آدمی اس کمرے سے باہر تھا۔

☆☆☆

پورے شہر میں پچھلے ایک سال سے دو افراد نے افراتفری مچائی ہوئی تھی۔پولیس ان دونوں کو پکڑنے میں ناکام رہی۔بڑے سے بڑا آفیسر ان دو مجرموں کے سامنے میں بے بس تھا۔کسی افسر کی کوئی چال ان مجرموں کو جیل تک پہنچانے کے لئے سود مند ثابت نہ ہوئی۔پورا شہر گناہوں کے دلدل میں ڈوبا ہوا تھا مگر پولیس فورس بے بس و مجبور تھی۔وفاق سے بار بار ڈیڈ لائنز مل رہی تھیں کہ جتنی جلدی ہو سکے ٹائیگر کلر اور کیٹ بوائے کے شر سے شہر کو بچایا جائے مگر یہ دونوں مجرم اتنے شاطر تھے کہ آج تک ان کا چہرہ کوئی نہ دیکھ پایا۔جرم کرنے کے بعد وہ اس جگہ سے ایسے غائب ہو جاتے جیسے ان کا وجود اس دنیا میں تھا ہی نہیں۔ ٹائیگر کلر ایک ٹارگٹ کلر تھا۔پیسوں کے عِوض لوگوں کا خون بہانا اس کا پیشہ تھا۔خون کرنے کے بعد اس لاش پر اپنا نام لکھنا اس کی عادت تھی۔شروع میں ایک ہفتے میں ایک دو بار کسی محلے سے لاش مل جاتی مگر پچھلے دو ماہ سے مسلسل ہر روز کسی نہ کسی محلے سے لاش ملنا اور اس پر ٹائیگر کلر کا نام جیسے اس شہر کی قسمت بن گیا تھا۔کوئی گلی ایسی نہ رہی جہاں سے ہر روز کوئی جنازہ نہ گزرے۔لوگ کندھا دے دے کر تھک گئے مگر خون کی ہولی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔قبرستان میں جگہ کم پڑ گئی مگر خون کی ہولی جاری رہی۔

☆☆☆

''آج کی رات ہمارے لئے بہت اہم ہے۔آج کینال روڈ پر ہوٹل ون میں پانچ کھرب کا ایک ڈائمنڈ نمائش کے لئے پیش کیا جائے گا۔اور مجھے وہ کسی بھی قیمت پر حاصل کرنا ہے۔'' کیٹ بوائے اپنے ساتھی بلیک بوائے سے کہہ رہا تھا۔بلیک بوائے پچھلے تین ماہ سے کیٹ بوائے کے ساتھ تھا۔ پچھلے تین ماہ میں کیٹ بوائے نے جہاں جہاں چوری کی یا ڈاکا ڈالا اپنے ساتھ بلیک بوائے کو ضرور رکھا۔کیٹ بوائے اس کو اپنے جیسا بنانا چاہتا تھا۔جرم کی دنیا میں اس کا نام چمکانا چاہتا تھا۔'' لیکن۔۔'' آج سے پہلے جب بھی بلیک بوائے نے اس کے ساتھ کوئی چوری کی تو وہاں اتنی سیکورٹی نہیں تھی مگر آج وہ جہاں چوری کرنے کی بات کر رہا تھا، وہاں پورے شہر کی پولیس فورس موجود ہوگی۔جگہ جگہ پر سی۔سی۔ٹی۔وی کیمرے نصب ہونگے۔ اس بات نے بلیک بوائے کو پریشان کر دیا۔وہ اس بات کو اس کی حماقت سمجھ رہا تھا''لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔ مجھے وہ ڈائمنڈ چاہئے تو بس چاہئے۔ کوئی مائی کا لال ایسا نہیں ہے جو میری چاہی ہوئی چیز کو مجھ سے چھین سکے۔'' اس نے گھور کر بلیک بوائے کی طرف دیکھا۔'' مگر ہم اندر کیسے جائیں گے؟'' اس کے استفسار پر کیٹ بوائے نے دو کارڈ ہوا میں لہرائے۔ایک کھسیانی ہنسی ہوا میں گونجی۔ ''یہ۔۔۔یہ لے کر جائیں گے ہمیں اندر۔۔۔'' یہ جعلی انوی ٹیشن کارڈز تھے، جو اس نے بنوائے تھے۔ایسے کاموں میں وہ بہت ماہر تھا۔بس اب اسے رات کا انتظار تھا۔

☆☆☆

پورے شہر کی فورس ہوٹل ون پر ہائی الرٹ تھی۔تین سو نوجوان سکیورٹی کی ذمہ داری نبھا رہے تھے۔سب کے پاس جدید رائفل اور جدید ہتھیار تھے۔دو جوان ایک طرف کھڑے سکیورٹی کا جائزہ لے رہے تھے۔'' سب ٹھیک ہے نا!؟'' ایک نے مین گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا'' آپ فکرمت کریں، گیٹ پر بھی سی۔سی۔ٹی۔وی کیمرے نصب کر دیئے گئے ہیں۔کیٹ بوائے کبھی اندر نہیں آ سکتا۔سکیورٹی کے انتظامات بہت سخت ہیں۔'' وہ تمام کاروائی سے آگاہ کر رہا تھا'' میں پہلے بھی آئی جی صاحب سے باتیں سن چکا ہوں۔اگر اس بار ایسا کچھ ہوا نا! میرے ساتھ ساتھ پوری نفری بھی اپنی جاب سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔'' کاشف کی نظر سامنے پارکنگ پر گئی۔ وہاں ایک کار سے پینتیس سالہ آدمی اپنی بیوی اور بیٹے کے ہمراہ نکلا تھا۔سب کا لباس سیاہ تھا۔'' وہ دیکھ رہے ہو، یہ تمام ہمارے چیف گیسٹ ہیں۔ان کی آؤ بھگت میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں رہنی چاہئے۔'' اپنے کولیگ کاشان کو نصیحت کی'' آپ فکرمت کریں۔ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا جو آپ کے لئے باعث شرمندگی ہو یا جس کی وجہ سے آپ کو آئی جی صاحب سے کچھ سننا پڑے۔'' کاشان کی یقین دہانی پر کاشف نے اثبات میں سر ہلا دیا''سر۔۔۔ ڈائمنڈ کو ہال میں لے آئیں کیا؟'' ایک نوجوان نے آکر سلیوٹ کیا ''نہیں۔۔ابھی وقت نہیں ہوا'' کاشف نے نفی میں سر ہلایا'' لیکن سب آ گئے ہیں، اب کس کا انتظار ہے؟'' کاشان نے پوچھا'' ہے کسی کا انتظار۔۔ بہت خاص ہے وہ۔۔'' اس کے چہرے پر مکاری واضح ہو رہی تھی۔

☆☆☆

ہاٹل ون سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ایک شخص پچھلے ایک گھنٹے سے نظر جمائے ہوئے تھا۔اس کی نظر ہوٹل ون کے مین گیٹ پر مرتکز تھی۔وہ اندر جانے کی تاک میں تھا مگر ہائی الرٹ سکیورٹی اور سی۔سی۔ٹی۔وی کیمرے اس کے ارادوں کو مکمل نہیں ہونے دے رہے تھے۔وہ دو قدم چلا اور پھر رک کر کچھ سوچنے لگا۔اس کا ایک ہاتھ بلیک جینز میں تھا اور دوسرا ہاتھ کمر پر تھا۔وہ اپنی کمر کے پیچھے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ ہر شخص کو گھور رہا تھا۔کل دس آدمی گیٹ پر رائفل لئے کھڑے تھے۔وہ چہل قدمی کرتے ہوئے ان کے قریب گیا۔ہر شخص کا کن انکھیوں سے جائزہ لیا۔اور پھر ہوٹل کے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔وہ سمجھ گیا تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ابھی وہ عقبی حصے کی طرف جا رہا تھا کہ موبائل کی رنگ نے خاموشی کو توڑ دیا''ہاں میں آ رہا ہوں۔۔۔ ہو جائے گا کام۔۔۔اچھا اب کام مکمل ہونے کے بعد بات ہوگی۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور تیزی سے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔

ہوٹل کے ہال میں بڑی سیاسی شخصیات اور غیر ملکی مہمان جمع تھے۔سب کے چہرے پر سکون کا تاثر تھا۔سب پارٹی کو انجوائے کر رہے تھے۔ویٹر سب کی آؤ بھگت میں مصروف تھے۔طرح طرح کی ڈشز کی خوشبوئیں بھوک کو بھڑکا رہی تھیں۔ڈنر کا ٹائم رات گیارہ بجے تھا مگر دس بجے ہی کھانا شروع کر دیا گیا۔سب اپنی اپنی پسندیدہ ڈشز کی طرف لپکنے لگے۔مہمانوں کے لئے قورمے، چائنیز اور اٹالین کھانے پیش کئے گئے تھے۔کھانے کے دوران کاشف اور کاشان مسلسل صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے۔'' سب کچھ ٹھیک ہے نا!'' کاشف نے کاشان کے پاس سے گزرتے ہوئے پوچھا'' یہاں سب ٹھیک ہے، آپ اوپر کمرے کا جائزہ لے لیں۔'' اس کا اشارہ اس کمرے کی طرف تھا جہاں ڈائمنڈ کو رکھا گیا تھا۔وہاں کی سیکورٹی کافی ہائی الرٹ تھی۔دو نوجوان اس کمرے کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔کمرے کے اندر جانے کا واحد راستہ دروازہ تھا۔مزید سکیورٹی کے لئے لیزر لائٹس کا استعمال کیا گیا تھا۔'' میں ابھی وہیں سے آیا ہوں، وہاں سب ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر وہ آگے چل دیا۔اس کی نظر وال کلاک پر گئی۔دس بج کر تیس منٹ ہو چکے تھے۔گیارہ بجے ڈائمنڈ کی نمائش کی جانی تھی مگر اس کے چہرے پر ایک عجیب سا خوف تھا۔جو وہ سب سے چھپائے ہوئے تھا۔اس کو اپنی جیب سے روشنی نکلتی دکھائی دی۔موبائل پر مسیج آیا تھا مگر سائیلنٹ پر ہونے کی وجہ سے آواز سنائی نہ دی۔اس نے مسیج پڑھا اور ایک سکون کا احساس اس کے چہرے پر دکھائی دینے لگا۔

دو آدمی دیکھنے میں نا ہی کسی سیاسی پارٹی کے رکن لگتے تھے اور نہ ہی کسی غیر ملکی مہمان کے کارندے۔ان کی حرکتیں مشکوک لگ رہی تھیں۔وہ ہر شخص کو ایسے گھور رہے تھے جیسے ابھی انہیں کاٹ کھائیں گے۔کاشف پچھلے دس پر ان پر نظر جمائے ہوئے تھا۔مگر ان کو پکڑ نہیں سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنا ماحول کو مزید خراب کر دیتا۔وہ خاموشی سے ان کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھنے لگا۔گیارہ بجنے میں دس منٹ رہ گئے۔ان دو آدمیوں میں سے ایک نے کلاک کی طرف دیکھا اور پھر کاشف کی طرف انگوٹھا کیا۔اس کے اشارے کو وہ سمجھ گیا۔بے چینی غائب ہوگئی۔وہ ان دونوں کو پہچان چکا تھا۔اب اسے مزید نظر رکھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔وہ ان کے پاس گیا اور آہستگی سے کہتا ہوا مین گیٹ کی طرف چلا گیا''دس۔دس۔دس''

☆☆☆

''مجھے بار بار فون کر کے پریشان مت کرو۔ایک بار کہہ دیا نا! کہ کام ہو جائے گا تو ہو جائے گا اور ویسے بھی آج تک میں نے کوئی بھی ادھورا نہیں چھوڑا۔۔۔ اس کا کیا۔۔ اُس کا تو باپ بھی مرے گا آج۔۔'' دانت بھینچ کر اس نے فون بند کر دیا اور اپنی نظریں دوبارہ ہال کی طرف مرکوز کر لیں۔وہ کمرے کی جالی کی اوٹ میں بیٹھا تھا۔وہ وہاں سے پورے ہال پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ایک ایک شخص کی حرکت اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔اس کے ہاتھوں میں بندوق تھی۔وہ اپنا نشانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ایک شخص اس کی آنکھوں کے سامنے آیا۔وہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگا مگر اس سے پہلے کہ وہ بندوق چلاتا لائٹ آف ہوگئی مگر وہ اپنی انگلی کو پیچھے نہ کر پایا اور گولی کی آواز نے ماحول کو سرگرم کر دیا۔دس سیکنڈ کے بعد بجلی دوبارہ بحال ہوگئی۔مگر وہ اپنا کام کر چکا تھا۔

☆☆☆

کاشف نے ماحول کو سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی۔ایک انجان لاش اس کے سامنے خون میں لت پت پڑی تھی۔اس کے سینے میں گولی لگی تھی۔ہر شخص خوف کے پسینے میں نہا چکا تھا۔سیکورٹی نے چیف گیسٹ اور ان کی فیملی کو اپنے حصار میں لے لیا۔کاشان باہر سے بھاگتے ہوئے آیا'' کاشف۔۔ خیریت تو ہے، ابھی گولی چلنے کی آواز۔۔۔۔'' اس کی نظر جیسے ہی لاش پر پڑی تو اس کا جملہ ادھورہ رہ گیا۔وہ ٹکٹکی باندھے لاش کی طرف دیکھنے لگا'' جس نے بھی یہ سب کچھ کیا وہ بچ نہیں پائے گا۔۔۔'' وہ عقابی نظروں سے چیزوں کو دیکھنے لگا'' آپ نے اس روم کا جائزہ لیا، جہاں ڈائمنڈ ہے؟'' کاشان نے پوچھا'' اوہ۔۔ شٹ۔۔۔ جلدی جاؤ اور دیکھو وہاں سب ٹھیک ہے نا۔۔سکیورٹی۔۔ کوئی شخص باہر جانے نا پائے۔'' وہ چلاتے ہوئے اپنے احکام صادر کر رہا تھا، تبھی اس کی نظر اوپر جالی پر پڑی۔وہاں اس کو ایک پرچھائی نظر آئی۔وہ تیز قدمی کے ساتھ اوپر گیا اور اس شخص کو دبوچ لیا'' اب چل۔۔۔'' اس کو گریبان سے کھینچتا ہوا سب کے سامنے لے آیا'' کیوں مارا، اس آدمی کو بول۔۔۔'' ایک زوردار آواز گرجی اور اس شخص کو اس لاش کے اوپر دھکیل دیا۔وہ خاموش رہا اور کچھ نہ بولا'' سنتا نہیں ہے۔۔۔'' کاشف نے ایک زوردار لات رسید کی مگر وہ کچھ نہ بولا'' ارے اس کی گردن پر تو ٹیٹو ہے۔۔'' ہجوم سے آواز آئی۔کاشف نے اس کا گریبان چاک کیا تو ٹیٹو واضح ہو گیا'' یہ تو ٹائیگر کلر ہے۔'' یہ ٹیٹو اکثر نیوز چینلز پر دکھایا جاتا رہا تھا۔اور اس نامعلوم شخص کو لوگ ٹائیگر کلر سمجھتے تھے۔اس سے پہلے کے ٹائیگر کلر کچھ بول پاتا، کاشف نے سکیورٹی گارڈ کو بلایا اور اس کو گرفتار کروا دیا۔'' وہاں سب ٹھیک ہے۔'' کاشان نے آتے ہی کہا۔اتنے میں دو آدمی ایک ٹرے میں خوبصورت ریشمی رومال لئے حاضر ہوئے۔انہوں نے وہ ٹرے ہال کے درمیان ٹیبل پر رکھ دی۔کاشف کے چہرے پر اطمینان کا تاثر نمایاں تھا'' لیڈیز اینڈ جینٹل مین، آج کی رات ہم جس چیز کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں، وہ چیز اس ریشمی رومال کے نیچے ہے۔'' کاشف اس رومال کے بالکل پاس چلا گیا'' یہ ہے دنیا کا سب سے قیمتی ہیرا جس کا نام ہے امیبل ڈائمنڈ۔ ورلڈ مارکیٹ میں اس ہیرے کی قیمت پانچ کھرب ہے۔لیکن اگر اس ڈائمنڈ کو پالش کر دیا جائے اور اس کو مختلف اشکال میں ڈھال دیا جائے تو اس کی قیمت دو سے تین گنا مزید بڑھ جائے گی، یعنی پالش کرنے کے بعد اس کی قیمت پندرہ کھرب ہو جائے گی۔'' سب حیرانی سے اس کی چہرے کو تک رہے تھے۔'' ویل ڈن۔۔'' چیف گیسٹ کی طرف سے آواز آئی'' تھینک یو۔۔اب اس ڈائمنڈ کو میں آپ سب کے سامنے پیش کرنے جا رہا ہوں۔'' اس نے ریشمی رومال اٹھایا تو نیچے سے ایک نہایت چمکتا ہیرا نکلا جس نے رات کے اندھیرے کو دن کی روشنی میں تبدیل کر دیا۔

☆☆☆

لائٹ آف ہوتے ہی دو جوان پھرتی سے لیزر روم میں داخل ہوئے اور ڈائمنڈ کو چرانے میں کامیاب ہو گئے مگر پکڑے جانے کے ڈر سے انہوں نے ایک جعلی ہیرا اس کی جگہ رکھ دیا۔اب وہاں سے نکلنا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔سکیورٹی ہائی الرٹ تھی۔سب کی نظریں اس قتل کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے اس پارٹی میں خون کی ہولی کھیلی۔ان میں سے ایک نے کاشف کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے عقبی حصے کی طرف جانے کو کہا۔ان دونوں نے اس کی اشارے پر عمل کیا اور عقبی حصے میں جا کر اس کا انتظار کرنے لگے۔دس منٹ کے بعد کاشف وہاں آیا اور ان سے ہیرا واپس لے لیا'' گڈ۔۔کیٹ بوائے۔۔'' اس نے ان دونوں کو داد دی'' تھینکس۔۔۔لیکن ہمارا حصہ؟؟'' بلیک بوائے نے کہا'' وہ بھی جلد مل جائے گا، اس نے سکیورٹی کو بلایا اور دونوں کو اریسٹ کرنے کو کہا۔یہ دیکھ کر دونوں گھبرا گئے۔دونوں نے بھاگنے کی بھرپور کوشش کی اور آخر کار بلیک بوائے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا لیکن کاشف کو اس کے بھاگنے کا کوئی غم نہیں تھا۔اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔کیٹ بوائے اس کے قبضے میں تھا۔اس نے اس کو بھی ٹائیگر کلر کے ساتھ انتہائی سخت سکیورٹی میں جیل بھیج دیا۔

☆☆☆

مہمان جا رہے تھے۔سب کو پارٹی میں خوب مزہ آیا۔تقریب سپرہٹ تھی۔'' بہت خوب کاشف۔۔۔ آج تمہاری بدولت دونوں شاطر کھلاڑی پکڑے گئے۔'' آئی۔جی۔صاحب اسے داد دے رہے تھے'' سر۔یہ تو میرا فرض تھا'' اس نے جواباً کہا'' نہیں۔۔نہیں۔۔۔تم تعریف کے حق دار ہو۔تمہارا کام قابل ستائش ہے۔آخر تم نے ٹائیگر کلر اور کیٹ بوائے کو ان کے انجام تک پہنچایا ہے۔سچ مانو تو پہلے تو مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں تم اپنی چال میں ناکام نہ ہو جاؤ۔اور اوپر سے تم نے اتنا بڑا ارزق لیا۔ڈائمنڈ اگر واقع چوری ہو جاتا تو سرکار کی طرف سے ہمیں کتنا کچھ سننے کو ملتا۔'''' لیکن سر ایسا کچھ ہوا تو نہیں۔۔۔'' اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا'' ایسا ہو بھی نہیں سکتا جب تک تم جیسے چالباز آفیسر پولیس کی وردی میں موجود ہیں۔کوئی ہمارے ملک کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' اس کی کمر پر تھپکی دی اور دونوں باہر کو چل دیئے۔اب وہاں کوئی نہ تھا۔اندھیرا اچھا چکا تھا لیکن ایک منٹ کے بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔لائٹ کا سوئچ آن کر دیا گیا۔ایک سایہ نمودار ہوا۔اوپر کی منزل سے بھی مزید ایک سایہ نمودار ہوا۔دونوں کے چہرے پر کھسیانی ہنسی تھی۔دونوں اکٹھے ہال کے درمیان کھڑے تھے۔ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے پھر ایک زوردار قہقہ گونجا۔ ''جب تک تم جیسے چالباز آفیسر پولیس کی وردی میں موجود ہیں۔کوئی ہمارے ملک کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' کاشان کی آواز سنائی دی۔وہ آئی جی کی نقل اتار رہا تھا'' واہ۔۔ کاشان۔۔۔ واہ۔۔۔کیا کہنے تمہارے۔۔۔تم نے ان کی چال کو ان پر ہی الٹا کر دیا۔'' یہ بلیک بوائے تھا جو وہاں سے بھاگ گیا تھا''اسی کو تو کہتے ہیں اصل چالباز۔۔'' کاشان نے تمسخرانہ کہا'' یہ لو ڈائمنڈ۔۔۔'' اس نے اپنی شرٹ کے نیچے چھپائے ڈائمنڈ کو واضح کیا۔اسے دیکھ کر کاشان کا چہرہ دمک اٹھا'' تم سوچ نہیں سکتے کیٹ بوائے آج میں کتنا خوش ہوں۔آج میرا مقصد پورا ہو گیا، پولیس فورس کو جوائن کرنے کا۔آج کے بعد میں پھر سے وہی ٹائیگر کلر بن جاؤں گا۔۔۔'' قہقوں کی آواز گونجنے لگی

'' ٹائیگر کلر۔۔ ٹائیگر کلر۔۔۔ جسے دیکھو میرے نام کی مالا الاپ رہا ہے۔'' رات کے اندھیرے میں وہ کیٹ بوائے سے بات کر رہا تھا'' لیکن یار۔۔۔ تمہارا اب یوں ہر جگہ پھرنا مناسب نہیں ہے۔ فورس ہم دونوں کا پیچھا کر رہی ہے۔ہمیں کچھ دنوں کے لئے انڈر گراؤنڈ ہو جانا چاہئے۔'' کیٹ بوائے نے مشورہ دیا'' نہیں۔۔۔ کیٹ بوائے نہیں۔۔۔ ٹائیگر کلر اتنا بزدل نہیں ہے جو موت کے ڈر سے بل میں جا چھپے۔۔'''' مگر چند دنوں کی بات ہے۔۔۔'''' اسی لئے تو میں نے ایک پلان بنایا ہے۔۔'' اس کے چہرے پر کھسیانی ہنسی تھی۔'' کیا؟؟'''' آج سے دو ماہ بعد ہوٹل ون میں ایک ڈائمنڈ نمائش کے لئے پیش کیا جائے گا۔ اس نمائش میں کیٹ بوائے اور ٹائیگر کلر پکڑے جائیں گے۔'' کیٹ بوائے اس کی بات کا مطلب سمجھ نہ پایا۔اس نے اسے سمجھایا اور اپنے پلان کو تفصیل سے بتایا۔'' لیکن، یہ خطرے سے خالی نہیں۔۔۔'''' خطروں سے کھیلنا ہی تو ٹائیگر کلر کا کام ہے۔۔۔اب بس یاد رکھنا آج کے بعد میں ٹائیگر کلر نہیں بلکہ پولیس آفیسر کاشان کہلاؤں گا۔'' اس دن کے بعد کیٹ بوائے نے ایک اپنے جیسا لڑکا ڈھونڈا اور اسے کیٹ بوائے بنانے کا فیصلہ کیا اور اپنا نام اسے دے دیا اور خود بلیک بوائے کے نام سے مشہور ہو گیا۔جب کاشف نے ٹائیگر کلر کے بارے میں کیٹ بوائے سے دریافت کیا تو اس نے ایک بار پھر ایک آدمی کو ٹائیگر کلر بنا کر پیش کیا۔کاشف اسے ٹائیگر کلر سمجھ بیٹھا اور اس کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرنے لگا۔مگر اس کے پلان کے بارے میں کاشان (ٹائیگر کلر) کو پہلے ہی پتا چل گیا تو اس نے کاشف کا پلان اسی پر الٹا کرنے کا پلان بنایا اور وہ اس مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا۔دنیا کی نظر میں ٹائیگر کلر اور کیٹ بوائے گرفتار ہو گئے۔کاشف کو پروموشن مل گئی۔کاشان بغیر بتائے پولیس فورس چھوڑ گیا اور دوبارہ جرم کی دنیا میں واپس چلا گیا اور ایک نئے نام کے ساتھ ابھرنے لگا۔کیٹ بوائے اب بلیک بوائے کے نام سے مشہور ہو گیا اور دوبارہ پورا شہران مجرموں کے ہاتھوں سلگنے لگا۔

جھوٹ

تحریر:۔ام حبیبہ

جھوٹ بولتا تو انسان اپنے فائدے کے لیے ہے اور اسکا وقتی فائدہ بھی ہو جاتا ہے پر بعد میں نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر جھوٹ بولنا منافقت کی نشانی ہے۔ اس جھوٹ کی ہی وجہ سے نا جانے کتنے ہی دل دکھی ہوتے ہی گھر اجڑ بھی جاتے ہیں اگر کسی شخص نے کوئی چوری کی ہے اور پولیس شک کی بنیاد پر پکڑ لیتی ہے تو اپنے جھوٹ کو چھپانے کیلئے کئی جھوٹ بولے گا اور اتنی ساری جھوٹی باتوں میں سے ہی کوئی ایک جھوٹ اس کو پکڑ وانے میں مدد کر دیتا ہے بعض دفعہ انسان اپنے آپ کو اچھا ثابت کرنے کے لیے بہت دفعہ غلط بیانی کرتا ہے لیکن بار بار کی غلط بیانیوں سے ہی دوسرے کی نظر میں اپنی قدر کھو دیتا ہے۔اکثر یہ بھی دیکھا ہے کوئی شخص حسد یا جلن میں کسی پر جھوٹ باندھتا ہے تو الٹا جھوٹ بولنے والے کو منہ کی کھانی پڑتی ہے اسی طرح اگر کسی ایمان دار انسان پر کوئی جھوٹا الزام لگتا ہے تو وہ اپنے سچ بولنے کی عادت سے بہت آرام سے تنہا اپنی پریشانی کا مقابلہ کر لیتا ہے کیونکہ اس کا دل مطمئن ہوتا ہے اور سچے انسان نے بغیر کسی ثبوت کے ایک دفعہ ہی اپنی سچائی بیان کرنی ہوتی ہے۔مگر ایک جھوٹ جھوٹے شخص نے ثبوت کے ساتھ بھی بار بار بیان بدلنا ہوتا ہے وہ اس لیے کہ اس کو اپنی چوری پکڑے جانے کا ڈر ہوتا ہے اور یہی غلطی جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔کیونکہ ایک جھوٹے انسان کے دل میں ہمیشہ ایک چور بیٹھا ہوتا ہے جو اسے بار بار جھوٹ پکڑے جانے کے ڈر سے اکسا تا رہتا ہے۔لیکن پھر بھی افسوس کہ جھوٹ ہمارے معاشرے میں ایسا رچ بس گیا ہے کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس کے بغیر گزارا نہیں اور ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی بے حسی کی بنیادی وجہ بھی یہ جھوٹ ہے دنیا میں اعلیٰ مقام تک پہنچنے کے دو راستے ہیں ایک جھوٹ کا راستہ اور دوسرا سچائی کا راستہ جھوٹ بول کر نام تو ہوگا پر بدنامی کے ساتھ اور سچ بول کر بھی نام ہوگا لیکن ساتھ ساتھ قدر و منزلت بھی ملے گی اور اعلیٰ مرتبہ بھی ملتا ہے لیکن تھوڑے سے حوصلے اور برداشت کے بعد پھر تو کیوں نہ ان دونوں راستوں میں سے وہ راستہ چنیں جس پر چل کر آخرت میں بھی بھلائی ملے۔

گلدستہ

تحریر:۔ارم فاطمہ

دنیا کا سب سے آسان کام کیا ہے؟ جھوٹ بولنا،خلیل جبران نے اپنے ایک افسانے میں لکھا !"میں نے کبھی جھوٹ نہی بولا سوائے اہل جھوٹ کے کہ میں جھوٹ نہیں بولتا" آج کا انسان سب سے زیادہ ردعمل اس بات پر ظاہر کرتا ہے جب اس سے جھوٹ کے بارے میں سوال کیا جائے سچ تو یہ ہے کہ وہ جتنا ہی جھوٹ کے سہارے ہے کبھی مصلحت کے لیے جھوٹ کبھی مفاد کے لیے جھوٹ کبھی کسی کو نیچا دکھانے کیلئے جھوٹ اور کبھی کسی کو پریشان کرنے کے لیے جھوٹ ..نماز پڑھنے کا جھوٹ ، روزہ رکھنے کا جھوٹ ، سچ بولنے کا جھوٹ ، درگذر کرنے کا جھوٹ ، چغل خوری نہ کرنے کا جھوٹ ، غیبت نہ کرنے کا جھوٹ ، پہلا جھوٹ مشکل ہوتا ہے دوسرے جھوٹ پر ہچکچاہٹ تیسرے جھوٹ پر پریشانی اور ندامت ہوتی ہے پھری انسان بڑے اعتماد سے جھوٹ بولتا ہے ۔ جھوٹ یہ جھوٹ کیا جھوٹ ہمیں جہنم سے بچا سکے گا؟ کیا جھوٹ ہمیں داخل جنت کر سکے گا ؟ حضور اکرم کا ارشاد ہے " جھوٹ میں خیر نہیں " جھوٹ صرف بڑے نہیں بولتے بچے بھی اس سے محفوظ نہیں کبھی چھٹی لینے اور مار سے بچنے کے لیے ! بڑوں کو ماردیا جاتا ہے دادا دادی کی موت ، چچا تایا کی موت خالہ ماموں کی موت اور کبھی والدین کو اس لسٹ میں شامل کر لیتے ہیں زندہ لوگوں کو تو مارتے ہی ہیں مردہ لوگوں کو پھر ماردیتے ہیں آج کی نسل بھی اس جھوٹ سے محفوظ نہیں والدین کو مطمئن کرنے کے لیے دوستوں کے ساتھ سنڈیز کا بہانہ دوست کے ایکسیڈنٹ کی خبر اور پھر اس جھوٹ کی لہر میں ایسے ڈوب جاتے ہیں کہ ہر لمحہ اس جھوٹ میں بسر ہوتا ہے ایسا معاشرہ جس میں جھوٹ رچ بس جائے تو سب سے پہلے اہل فکر و دانش طبقہ اس کی زد میں آتا ہے جس سے معاشرے میں بگاڑ کی شروعات ہوتی ہے۔اگر آپ مخاطب کے جھوٹ کو جاننا چاہتے ہیں تو اس کے چہرے کو بغور دیکھیں وہ کبھی نظر ملا کر بات نہیں کرے گا اِدھر اُدھر دیکھے گا آپ کے اور اپنے بیچ کو کوئی چیز اُٹھا کر رکھے گا سچ بولنے والا جرات مند ہوتا ہے اس کے چہرے پر سچی مسکراہٹ ہوتی ہے مصنوعی پن نہیں ہوتا یہ ضروری ہے اگر ہم اپنے آپ کو مثال بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں تو اپنے کردار میں سچ کو منعکس کرنا ہوگا ورنہ ہر نقش جھوٹ کی ترویج اور ترقی میں معاون ہوگا اور ہمارا معاشرہ مثالی معاشرہ اسلام کا پروردہ معاشرہ نہیں بن پائے گا۔

غزل

شاعرہ : نزحت جبیں ضیا

میرے رتجگے میرے دوست ہیں
میری کروٹیں ہیں میری گواہ
تمھیں اس دردکا کیا پتہ
یہ تمھاری نظر میں فضول ہیں
میری ڈائری میرا رازداں
ھیں اس میں کچھ نشانیاں
وہ جو خط تم نے لکھے کبھی
جو دیئے تھے تم نے وہ پھول ہیں
جہاں ہم چلے تھے ساتھ ساتھ
وہ راہیں میری نظر میں ہیں
جو محبتوں کے امین تھے
وہی راستے آج دھول ہیں
جو درخت تھے ہمارے رازداں
وہ درخت آج اُداس ہیں
یہ تتلیاں یہ پھول بھی
یہ ندی ہوا بھی ملوُل ہیں۔

سیاستدان

نوریہ مدثر سیالکوٹ

ڈارون صاحب تو نظریہ ارتقا دے کر کھلبلی سی مچا گئے پر یوں لگتا ہے جیسے ہمارے سیاستدانوں نے یہ ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی کہ وہ واقعی بندروں سے تعلق رکھتے ہیں۔اب دیکھیے نا! ان دونوں مخلوقات میں کتنی ہی'' مشترکہ'' خصوصیات پائی جاتی ہیں۔جیسے دونوں ہی قلابازی کھانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ویسے یہ الگ بات کہ جتنی قلابازی سیاستدان اپنی زبان سے مارتے ہیں اتنی قلابازی بندر میاں نہیں مار سکتے۔قابل مماثلت بات یہ بھی ہے کہ دونوں ہی ایک نمبر کے لالچی ہیں۔کچھ معلوم نہیں کہ کب استرا چرا بیٹھے یا کب قوم کو استرا لگا بیٹھے۔دیکھئے تو کیسے ایک مداری کے اشاروں پر ناچتا ہے، گاتا ہے ،اور ہمیں ہنساتا ہے۔اور دوسرا کیسے امدادی اشاروں پر خود کو اور قوم کو نچواتا ہے۔بھئی اب جہاں سے شکم ناتواں کو رزق میسر آئے گا ظاہر ہے اسی کے اشارے سب کیا جائے گا نا! بندر اور سیاستدان کی ایک مشترکہ خصوصیت ذہنی سکوں سے نابلدگی ہے۔ایک کے ذہن میں ہمہ وقت شرارت کے نت نئے منصوبے اور دوسرے کے ذہن میں قوم کو سبز باغ دکھانے کے نئے نویلے شوشے برپا۔اب دونوں کو ہی اپنی ناقدری عقل کا شکوہ ہے۔واللہ عالم۔ ان خصوصیات کے چلتے تو سیاستدان ہر شعبہ عیاری و مکاری میں بندروں کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔مختصر یہ کہ ان سیاستدانوں کی نہ تو کوئی کل سیدھی ہے اور نہ کوئی کل ٹیڑھی ہے۔اصل مسلئے مسائل تو ''عوام'' کے ساتھ ہیں۔جو انہیں ووٹ دے کر اپنے کل کو سنوارنے کی امید لگاتی ہے اور پھر انہی احمقوں کے کئے پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی نظر آتی ہے۔گر ہماری آہ سیاستدانی آپ پر اثر کر ڈالے تو بہتر وگرنہ بہترین ہے۔۔

زندگی بھر کا روگ

عنبرین اختر۔۔لاہور

بیکری سے نکلتے وقت وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے لسٹ کے مطابق چیزیں کا جائزہ لیا لیکن پھر بھی دو چیزیں کم پڑ گئیں۔وہ دوبارہ بیکری والے کے پاس گئی اور مطلوبہ چیزیں لے کر جب گاڑی میں بیٹھنے لگی واچانک اس کی نظر عثمان پر پڑی وہی شکل و صورت وہی قد و جسامت لیکن وہ لیکن وہ اسے آواز نہ دے سکی کیونکہ وہ تھی گاڑی میں بیٹھا کہیں جا رہا تھا گھر آ کر وہ صوفے پر ایک دم بیٹھ گئی اور نا جانے کن سوچوں میں گم ہو گئی۔یونیورسٹی کے یادگار دن دوستوں کے ہنسی مزاق وہ یعنی سبیلا اور عثمان اکٹھے یونیورسٹی میں پڑھتے تھے پوری یونیورسٹی میں ان کا گروپ مشہور تھا۔تقریبات ہوں یا مینا بازار ان کا گروپ ہر کام میں پیش پیش ہوتا سبیلا اور عثمان کی دوستی محبت میں تبدیل ہونے لگی سب دوست ان کا مزاق اُڑاتے لیکن پھر بھی ان دونوں کی ہر وقت مدد کرنے کو تیار رہتے تھے۔"عثمان ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا" اس کے ڈیڈی کا شمار شہر کے بڑے بزنس مینوں میں ہوتا تھا جبکہ سبیلا ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔رضیہ جو سبیلا کی ماں تھی ایک مقامی سکول میں جاب کرتی اور اپنی بیٹیوں کا پیٹ پال رہی تھی بے چاری دکھی عورت تھی سسرال والوں نے پہلے دن ہی اسے قبول نہ کیا قمر رضیہ کو اپنی پسند سے بیاہ کر لایا تھا آگے رضیہ کی قسمت کہ سسرال والوں نے اسے نظر بھی نہ دیکھا۔اپنی حالات میں رضیہ کی تین بیٹیاں ہو گئیں قیصر بھی اب رضیہ سے خائف رہنے لگا بات بات پر لڑنا اس کا معمول بن گیا۔انسان جب دوسرے انسان سے بیزار رہنے لگے تو معمولی باتوں کو بھی طول دینا مشکل نہیں ہوتا۔یہی رضیہ کے ساتھ بھی ہونے لگا ساس آوازیں دینے لگی رضیہ ارے اُو رضیہ کہاں مر گئی کم بخت جلدی آ اور میرے کندھے دبا بڑا درد ہو رہا ہے اری زور سے دبا جان نہیں ہے تیرے ہاتھوں میں جان آتی بھی کہاں سے ہاتھوں میں صبح سے دوپہر تک تو وہ سب کے کپڑے دھوتی رہی بیٹیاں سکول سے واپس سوکھے کپڑے پریس کر کے ترتیب سے پیک کر دیئے۔رضیہ کے دماغ پر سارے دن کے کاموں کا نشہ گھوم گیا قیصر بھی رضیہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا ساس بھی اسے بیٹیاں تھیں تو اس میں رضیہ بے چاری کا کیا قصور تھا وہ تو قیصر کی قسمت سے اس کی گود میں آئی تھیں۔لیکن اس بات کو کوئی نہیں جانتا تھا اور نہ ہی مانتا تھا الٹا قصور رضیہ کا کہ اوپر نیچے تین بیٹیاں اور یہ مہنگائی کا دور۔ایک دن رضیہ کی چھوٹی بیٹی کا رپہ نے ٹی سیٹ توڑ دیا حالانکہ رضیہ بچیوں کو کبھی کچن میں آنے نہیں دیتی تھی وہ تو پانی پینے کے لیے گلاس الماری سے نکالنے لگی کہ چولہے کے پاس پڑا ٹی سیٹ کا ٹرے نیچے آ گرا اللہ جانے کیسے ٹوٹ گیا ابھی دوبارہ دن لے قیصر مہمانوں کیلئے لے کر آئے تھے رضیہ انہیں صاف کر کے الماری میں رکھنے ہی والی تھی کہ ماریہ کی غلطی کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔بس پھر کیا تھا رضیہ پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی ساس نے وہ جلی کٹی سنائیں کہ رضیہ نے ماریہ کو مارنے سے بھی گریز نہ کیا حالانکہ اس نے کبھی اپنی بچیوں پر ہاتھ بھی نہیں اُٹھایا تھا اگلی صبح ناشتے سے فارغ ہو کر ساس ثریا بیگم نے رضیہ کو آواز دی۔اری کم بخت بادل گھیر آئے ہیں بارش برسنے والی ہے جلدی سے چھت سے کپڑے اُتار لا کہیں بھیگ نہ جائیں رضیہ نے بھی کلم کی تعمیل کی پر ماں کی طرح ثریا بیگم کے دل میں بھی پوتے کا ارمان تھا وہ جانتی تھیں کہ پچھلے ہفتہ ان کے محلے میں جو تقریب تھی ان لوگوں نے ثریا بیگم کو بھی اپنے پوتے کی سالگرہ میں مدعو کیا تھا وہ تو اس گول مٹول بچے کو دیکھتی ہی رہ گئیں۔دل میں آرزو پھوٹی کہ کاش ان کا اس بچے کی مانند پوتا ہوتا اس کے ناز نخرے اُٹھائیں دھوم دھام سے سالگرہ منائیں پر ثریا بیگم جانتی تھیں کہ ان کی قسمت میں بس پوتیاں ہی لکھی ہیں۔"خوشی نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں ہے ان کی قسمت میں"۔قیصر شام کو تھکا ہارا گھر آتا تو ماں بیٹے کے سامنے اپنے دل کے ارمان نکالنے بیٹھ جاتی۔ہائے کہا قسمت تھی میری کہ یہ لڑکیاں میرے بیٹے کے مقدر میں تھیں ارے میں تجھے کتنا کہتی تھی کہ اپنی پھوپھو زاد ثوبیہ سے شادی کرے لیکن تو نے میری ایک نہ مانی اُس وقت تیرے سر پر عشق کا بھوت جو سوار تھا۔ہائے میری تو قسمت ہی پھوٹ گئی میرا ایک ہی تو بیٹا تھا ثریا بیگم دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر ہائے ہائے کرنے لگیں۔ماں کہیں بھی کرو قیصر بھی بے دلی سے بول پڑا جب بھی گھر آتا ہوں تم ہی قصہ سنانے بیٹھ جاتی ہو میری حالت نہیں دیکھ رہی کتنا تھکا ہوا لگ رہا ہوں چہرے سے رضیہ سے ہوا ایک کپ چائے کا بنا کر کمرے میں لے آئے رضیہ جو کچن میں کھڑی ساری باتیں سن رہی تھی اور آنچل کے پلو سے چھم چھم برستے آنسو صاف کر رہی تھی ساس کی ایک آواز پر وہ چائے کا کپ پینے کمرے میں آ گئی۔"وقت کب کسی کیلئے رُکتا ہے وہ تو گزر جاتا ہے انسان بدل جاتے ہیں چیزیں ٹھیک ہو جاتی ہیں رشتوں کا تناؤ پیار محبت میں بدل جاتا ہے اللہ نے انسان کے صبر کو اور اسکی نیت کو آزمانا ہوتا ہے"۔یہی کچھ رضیہ کے ساتھ بھی ہوا بیٹیاں اب بڑی ہو گئیں تھیں بڑی بیٹی سبیلا نے میٹرک کر لیا ماریہ اور زیخا پکے بعد دیگرے پونچویں اور آٹھویں کلاس میں تھیں ساس کو فوت ہوئے دو سال بیت گئے قیصر کو اچھی جاب مل گئی۔زندگی نے ایک نیا موڑ اختیار کر لیا تھا گھر کے حالات بھی ٹھیک ہونے لگے۔مہینے سالوں میں بدلنے لگے، شاید بیٹیوں کی قسمت کی وجہ سے کیونکہ جس گھر میں بیٹیاں ہوتی ہیں وہاں رزق خود ہی چلا آتا ہے رضیہ کے باتوں میں اب چاندی اتر آئی تھی۔عصر کی نماز پڑھنے سے پہلے رضیہ نے سبیلا کو آواز دی سبیلا بیٹا ذرا جلدی آ و میرے سر میں تیل ڈال دو دو تین دن ہو گئے ہیں سر میں تیل نہیں ڈالا۔اچھا امی آتی ہوں۔سبیلا بی بی لے گئے نوٹس بنا رہی تھیں ماں کی پکار پر باہر صحن میں آتی سبیلا ماں کے سر پر آملہ کا تیل لگا رہی تھی ارے امی آپ کے تو آدھے سے زیادہ بال سفید ہو گئے ہیں اگر آپ کہیں تو وقعات لگا دوں نہیں بیٹا رہنے دو سفید بال تو بڑھاپے کی نشانی ہوتے ہیں تم بس اچھی طرح مالش کر کے چوٹیا بنا دو رضیہ نے سنجیدگی سے کہا۔سبیلا نے جلدی سے ماں کے بال بنا کر نوٹس مکمل کرنے لگی جو کل عثمان اور سبیلا اور ان کے پورے گروپ نے جمع کروانے تھے۔سبیلا اکثر عثمان سے کہتی تھی کہ تمہارے گھر والوں نے مجھے قبول نہ کیا تو کیا ہوگا؟ جواب میں عثمان کھکھلا کر نہیں پڑتا کم ان ڈرائینگ اُٹس او کے کچھ نہیں ہوگا تم فکر مت کرو جواب میں عثمان اسے تسلی دینے لگتا کہ تم میں کہیں چیز کی کمی ہے چاند جیسی شکل و صورت ہے موٹی موٹی آنکھیں ہیں۔تعلیم یافتہ ہو اور با اخلاق بھی پھر میرے والدین تمہیں کیونکہ قبول نہ کریں عثمان کی آنکھوں میں مستی لوٹ آئی اور اس کے کندھے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر اس کی بڑی بڑی آنکھ میں آنکھیں ڈال کر کہتا کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں جس کے تو ساتھ اور اگر موت آئی تو اکٹھے سبیلا کو عثمان کی باتوں سے کافی حوصلہ مل گیا تھا" جانے مرد کے دو میٹھے بول پر عورت اپنی ساری زندگی قربان کر دیتی ہے وہ چاہتی ہے کہ اس کو شادی کے بعد ویسا ہی پیار ملے لیکن جب وقت بدلتا ہے تو انسان کے لب و لہجے میں خود ہی تناؤ آ جاتا ہے مانا کہ مرد کا دل جوان اور مضبوط ہوتا ہے اور ابن حوا ازل سے مضمحل ہوتی ہے"۔وقت اجڑتا جا رہا تھا پھر ایک دن وہی ہوا جس کا سبیلا کو ڈر تھا عثمان دیر سے کلاس روم میں پہنچا سبیلا کافی دیر اس کا ویٹ کرتی رہی کلاس شروع ہو چکی تھی پریڈ ختم ہونے پر جب سبیلا باہر آئی تو سامنے عثمان کو دیکھا جس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔کیا ہوا عثمان؟ سب ٹھیک تو ہے۔۔سبیلا گھبرا ہی گئی ہاں گھر میں سب خیریت ہے منہ بنا کر جواب دیا مجھے بتاؤ عثمان آخر کیا بات ہے ہم بولتے کیوں نہیں سبیلا کی حد سے بڑھتی ہوئی بے قراری دیکھ کر عثمان نے سبیلہ کو سب کچھ بتا دیا سبیلا میرے والدین میرا نکاح میری کزن ساجدہ سے کر رہے ہیں اور یہ نکاح اگلے ہفتے ہو رہا ہے۔ میں شرمندہ ہو کر تمہارے سپنوں کی تعمیر نہیں بن سکا ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا عثمان یہ کہ کر وہاں سے چلا گیا وہ سبیلا سے کچھ بھی نہیں سننا چاہتا تھا اس میں کچھ سننے کی ہمت نہ تھی سبیلا وہاں ہی بت بنی کھڑی رہی وقت گزر چکا تھا۔سب کچھ کھو چکا تھا مگر وہ ابھی تک زندہ کیوں تھی کیا وہ غریب تھی اس کے پاس عثمان کی طرح دوست پیسہ نہیں تھا کیا اس کا یہی قصور تھا اگر آج وہ بھی دولت مند ہوتی تو یوں عثمان اس کو ٹھکرا کر نہ جاتا۔وہ بھی آج اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اس کے سوالوں کے جواب دے رہی ہوتی۔اسے اپنا آپ کمزور لگ رہا تھا کتنی دیر وہ یوں ہی کھڑی سوچتی رہی۔"کیا مرد ذات اتنی ہی خود غرض ہوتی ہے" عثمان جو اسے آج محض غریبی کی وجہ سے ٹھکرا کر گیا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کتنی دیر روتی رہی ساری کلاسز میں ہو چکی تھیں عثمان جو پیار کے دعوے کرتا تھا آج اس کی تمام باتیں دھری کی دھری رہ گئیں وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں نا جانے کیا تلاش کرتی رہی کہ پیچھے سے جمی اور ٹونی کی آوازیں آنے لگیں سبیلا نے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرنے چاہیے۔ لیکن جو آنسو کسی کی اچانک جدائی کی وجہ سے نکل آئیں انہیں کوئی نہیں روک سکتا آنسو صاف کہاں ہو رہے تھے وہ تو مسلسل ٹپک رہے تھے اور نا جانے کب تک ٹپکتے رہے۔وقت کا دھار تیزی سے گزر رہا تھا سبیلا نے بی بی دے کر لیا مزید آگے پڑھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ اب کوئی جاب ڈھونڈنا چاہتی تھی تا کہ والدین کا ہاتھ بٹا سکے وہ اس جاب کے ذریعے عثمان کی یادوں سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی لیکن جو لوگ دلوں کو گھائل کر دیں وہ کبھی نہیں بھولتے یہی سبیلا کے ساتھ بھی ہوا اب وہ کافی حد تک سنبھل چکی تھی جاب نے اس کی زندگی کو کافی حد تک بدل دیا۔ لیکن جب اکیلی ہوتی تو اداس ہو جاتی والدین اب اس کی شادی کرنا چاہتے تھے امی میں شادی نہیں کرونگی آپ ماریہ اور زیبا کی شادیاں کر دیں سبیلا ٹی وی کے چینل چینج کرتے کرتے بولی کیوں کہ نہیں کرونگی شادی۔رضیہ بیگم ٹی وی بند کر کے سبیلا کے پاس آ گئیں کیا بات ہے۔کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے رضیہ بیگم بولیں۔بس امی مجھے شادی نہیں کرنی تو نہیں کرنی وہ ابھی تک رٹ لگائے ہوئے تھی میں تمہاری دونوں کی کیسے شادی کر دوں جبکہ بڑی ایسے ہی بیٹھی رہے پہلے تمہاری شادی ہوگی۔

ہم کو شاعری کالم کیلئے فیس بک انچارج کی ضرورت ہے
نوٹ: آپ 03377017753 فیس بک پر یہ نمبر ریسرچ کر کے رابطہ کر سکتے ہیں، شکریہ

رانا ظفر 03004229969
انچارج؛ منظور اکبر تبسم 03453487779
ندیم عباس ڈھکو

غزل

آنکھ کو اتنی سعادت نہیں ملنے والی
تیرے دیدار کی دولت نہیں ملنے والی
ہر ساز کو کہاں اذن سفر ملتا ہے
ہر کسی پھول کو شہرت نہیں ملنے والی
تونے بیچا ہے میاں عشق کو دیناروں میں
اب تجھے قیس کی قربت نہیں ملنے والی
تو نے زخموں کا فقط ڈھونگ رچا رکھا ہے
اس لئے درد کو شہرت نہیں ملنے والی
وہ تجھے آدھا بنا کر ہی فدآ چھوڑ گیا
تیرے مزدور کو اجرت نہیں ملنے والی

شاعر:۔صدام فدآ 03065645474

غزل

کس حال میں رکھیں گی رفاقتیں تیری ہو گئیں ہیں
مجھ کو اب عادتیں تیری
منزل دیں گی یا دربدر رکھیں گی
میں کسطرح بھلا پاؤں گا محبتیں تیری
برسو پھیلے ہیں خوشبوؤں کے جھونکے
اک خمار سادے رہی ہیں چاہتیں تیری
مرا دل میری آنکھیں اے جان جاں
آج سے ہو گئیں ہیں امانتیں تیری
مت توڑ نا یہ سلسلہ چاہتوں کا فریاد
سہہ نہ پاؤں گا میں اذیتیں تیری
☆☆☆☆☆
شاعر:۔محمد راشد فریاد۔سکھر

نظم محبت

کھو کے خود میں اکثر داستان محبت
میں میں کورے کاغذ پر رقم کر لیتی ہوں
کچھ آنسوؤں سے کچھ شکوؤں سے
ایک کہانی میں درد کی لکھ لیتی ہوں
راتوں کی نیند میں اس کی یادوں میں اکثر گنوا دیتی ہوں
کبھی کبھی دل کی خاطر میں لے فیہ لو بھی لیتی ہوں
جن کے کچھ جذبات اپنے
میں ان محبت لکھ لیتی ہوں
میں اپنے ساتھ اب لفظوں کے کھیل کھیلتی ہوں
زخم چھپا کے سارے میں اتنے نام محبت ہمیشہ لکھ لیتی ہوں
☆☆☆☆☆☆
شاعر:۔کنول خان ہرہ پور ہزارہ

غزل

وہ کہ نا واقف دنیا ہے اسے کیا معلوم
زندگی زندگی درد کا صحرا ہے اُسے کیا معلوم
وہ تو بس میرے تعاقب میں چلا آیا ہے
پیار میں کتنا خسارا ہے اُسے کیا معلوم
بزم میں وہ تو بہت شاد ہے سب سے مل کر
یاں ہر اک شخص اکیلا ہے اُسے کیا معلوم
وہ بھی اک شخص کا دیوانہ ہوا کرتا تھا
یہ گئے وقت کا قصہ ہے اُسے کیا معلوم
یہ جو چہرہ ہے زمانے کا بظاہر یارو
اس میں اک اور بھی چہرہ ہے اُسے کیا معلوم
عالمِ ضبط سے، کہہ دو کہ نکل آئے ندیم
اشک ہی غم کا مداوا ہے اُسے کیا معلوم

شاعر:۔ریاض ندیم نیازی

درد کا زیور

میں اپنے درد کو لفظوں میں گوندتا ہوں اکثر
تجھے خوابوں، خیالوں میں ڈھونڈتا ہوں اکثر
جب کبھی تو مری نظروں سے اوجھل ہو جائے
میں لوگوں سے تمہارا پتہ پوچھتا ہوں اکثر
میں ترے خیالوں سے تجسیم ہوں اس قدر
گردونوا ترے پیار کی خندق کھودتا ہوں اکثر
اپنے جذبوں کی اب بھی تحریم دیکھو تو
جہاں سے تو گزرے نقش پاء چومتا ہوں اکثر
دل کی تسکین الف بھی ہے کتنی عجب
ساگر میں ساغر کولے کے کودتا ہوں اکثر
تم محو سوچ کو بھی ترقیم نہ کر سکو گے
سوچ سفر میں آسماں کو بھی چھوتا ہوں اکثر
پرنس جب سوچوں کی مسافت سے تھک جاتا ہوں
ماحول میں اپنے آپ کو بھی ڈھونڈتا ہوں اکثر

شاعر:۔پرنس بابر علی رند بلوچ ساہیوال

غزل

آنکھ سے گرنے والے آنسو واپس آیا نہیں کرتے
غم کے مارو ں یہ شجر سایہ نہیں کرتے
محبت کرنا جن کی عادت بن گئی ہو
ایسے لوگوں سے دل لگایا نہیں کرتے
جن کا پیار سچا ہو ان کو آزمایا نہیں کرتے
جس شجر پر رہے جس کا پت جھڑ
اس پر پرندے آشیانہ بنایا نہیں کرتے
جو لفظو ں کو جانیں پر مفہوم نہ سمجھیں
ان کو اشعار ہیں سنایا نہیں کرتے
قیامت سی بن گئی ہیں تیری پرانی یادیں
چھوڑ نے فیض یاروں میں وقت گنوایا نہیں کرتے

شاعر:۔محمد ندیم عباس پتوکی

حمد

تیرا اسراہی اب چاہتے میرے اللہ
تیری رضا اب چاہتے میرے اللہ
تو ہی پیدا کرتا ہے اور موت دیتا ہے
ہر نیکی تیرے پاس ہی جانی چاہیے میرے اللہ
آسمان سے مینہ برسا یا بوٹے مہکائے
تیری تعریف ہی لب سے نکلنی چاہیے میرے اللہ
دل تیرے خوف سے اکثر رونے لگتا ہے
تیرا سہارا اب تک چاہیے میرے اللہ
صبح کا پر نور منظر اور پرندوں کی ثناء
تیری حمد ہی کرنی چاہیے میرے اللہ
عنبرین ہر کوئی اس کا محتاج ہے
تیرا ہی شکر ادا کرنا چاہیے میرے اللہ

شاعر:۔عنبرین اختر۔لاہور

نظم

آج تم یاد بیت آئے ہو
آج ہلکی ہلکی بارشیں تھی
آج سرد ہوا کا رقص بھی تھا
آج پھول بھی نکھرے نکھرے تھے
آج ان میں تیرا عکس بھی تھا
آج بادل گھبرے تھے
آج چاند پہ لاکھوں پہرے تھے
تذکرے تیری یادوں کے
بڑی دیر سے دل میں ٹھرے تھے
جو کہنا تھا وہ کہہ نہ سکے ہم
جو سننا تھا سن نہ سکے ہم
یوں لگتا ہے آج دل میں میرے
تم ہی تم سمائے ہو
آج یاد تم بہت آتے ہو۔

نورین ساہیوال

غزل

رنج کی آنچ کے قصے نہیں پوچھا کرتے
کرب سے بعد کے نوحے نہیں پوچھا کرتے
ہجر کی رات گزرتی ہے بڑے لوگوں پر
ہجر کی رات کا بچے نہیں پوچھا کرتے
آج تنہائی مرے ساتھ لپٹ کر بولی
جانے والوں سے علاقے نہیں پوچھا کرتے
ایسے لگتا ہے کہ دنیا میں قیامت آئی
آجکل باپ کو بیٹے نہیں پوچھا کرتے
بھول جائیں گے منزل ہی ہوا کرتی ہے
ہم انا دار ہیں رستے نہیں پوچھا کرتے
لوگ لے جائیں توتی ساتھ چلے جاتے ہیں
شاخ سے پھول کے رشتے نہیں پوچھا کرتے
کس نے چھینے ہیں تری خواب اجالے تجھ سے
لوگ اتنا ہی تو مجھ سے نہیں پوچھا کرتے

اسلم شاہد اٹک: 0301/5602212

غزل

غم کو اشکوں سے کبھی دھویا ہے تو نے
کہیں اکیلے کے کھی لایا ہے تونے
جس کو چاہ کر پانے کی قسرت ہی ہو
جان بوجھ کر اس شخص کو کبھی کھویا ہے تونے
کتنی مست ہوتی ہے ی رات کی چاندنی
اس چاندنی کو اپنے اندر کھی سمویا ہے تونے
تم ٹوٹو اور وہ بکھر جائے عاصم
یو ں سی کو اپنے اندر کبھی پرویا ہے تونے

شاعر:۔محمد امتیاز عاصم

غزل

تم نے بھی ٹھکیرا ہی دیا دنیا سے بھی جدا ہوئے
اپنی اناء کے سارے شیشے آخر چکنا چور ہوئے
ہم نے جن پر منزلیں سوچیں ان کو پایا لوگوں بھی
ہم کتنے بد نصیب ہوئے وہ کتنا مشہور ہوئے
ترک وفا کو ساری قسمیں ان کو دیکھ کو ٹوٹ گئی
ان کا ناز سلامت رہا ہم ہیں ذرا مجبور ہونے
اک گھڑی کو رک پوچھا اس نے تو احوال مگر
باقی عمر مڑ کر نہ دیکھا اس نے اسے مغرور ہوتے
اب کے ان کی بزم میں جانے کا اگر محسن اذن ملے
زخم ہی ان کی نظر اتاریں اشک تو منظور ہوئے

سیف الرحمن زخمی

حسرتیں بے قیاس ہوتی ہیں
صورتیں غم شناس ہوتی ہیں
جن کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ ہو ندیم
ان کی آنکھیں اداس ہوتی ہیں

انتخاب شاعرہ: زینب ملک ندیم

غزل

نہ تجھ کو چھوڑ سکتے ہیں تیرے ہو بھی نہیں سکتے
یہ کیسی بے بسی ہے آج ہم رو بھی نہیں سکتے
یہ کیسا درد ہے جو پل پل ہمیں تڑپائے رکھتا ہے
تمہاری یاد آتی ہے تو پھر سو بھی نہیں سکتے
چھپا سکتے ہیں نہ دکھا سکتے ہیں لوگوں کو
کچھ ایسے داغ ہیں دل پر جو ہم دھو بھی نہیں سکتے
کہا تھا چھوڑ دیں گے یہ نگر اک دن لیکن
تمہیں پا تو نہیں سکتے مگر کچھ بھی نہیں سکتے

انتخاب عامر وکیل جٹ

غزل

کوئی امید جو ہوتی تیرے لوٹ آنے کی
پھر نہ ہوتی ایسی حالت دل دیوانے کی
میں تو ہر حال میں خوش رہنے کی جستجو میں رہا
نہ گئی تیری عادت وہ ستانے کی
زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹ رہا ہوں
نہیں دیتا کوئی دعا بھی مر جانے کی
تیرے سنگ بیتا ہر لمحہ یاد آتا ہے
جب بھی کوشش کی تجھے بھلانے کی
اب تو اکثر یہی سوچتا رہتا ہوں ندیم
تجھ کو مانگوں یا مانگوں دعا تجھ کو بھول جانے کی

انتخاب: محمد ارسلان: 0304/9908671

غزل

میں صرف تم سے ہی پیار کرتا ہوں
ساری دنیا کے سامنے یہ اظہار کرتا ہوں
تو اک بار مجھ سے ملنے کا وعدہ تو کر
پھر دیکھ میں تیرا کتنا انتظار کرتا ہوں
تو کہے تو پوری دنیا کو چھوڑ دوں میں
میں کب تیری کسی بات سے انکار کرتا ہوں
تیرے سوا میرے دل میں کوئی نہیں ہے انم
میں اس بات کا دل سے اقرار کرتا ہوں
لکھ دے میری ساری خوشیاں تیرے نام
خدا سے بھی میں آہ و پکار کرتا ہوں

انتخاب منظور اکبر تبسم

نظم محبت

مجھے تم سے محبت ہے......اور ایسی محبت ہے
کہ جو صحرا کو بارش سے......کہ جو دھڑکن کو خواہش سے
کہ جو آنکھوں کو خوابوں سے......شرارت کو سزا سے
کہ شبنم کو پھولوں سے......کہ جو بوندوں کو مٹی سے
کہ جو ہونٹوں کو ہنسی سے ہے......فضا کو زندگی سے ہے
کچھ ایسی ہے محبت مجھے تم سے
سنو اے زندگی میری مجھے تم سے محبت ہے
اور ایسی محبت کہ......جو آہوں کو ہنسی سے ہے
پلکوں کو نمی سے ہے......جو روح کو جسم سے ہے
ستاروں کو قلم سے ہے......مجھے اے جان جاں میری
مجھے تم سے محبت ہے......صرف تم سے محبت ہے

انتخاب: صباء مسکان چیچہ وطنی

غزل

پارسائی کی قسم اتنا سمجھ میں آیا
حسن جب ہاتھ نہ آیا تو خدا کہلایا
جانے کیوں اب شب ہجراں پر بھی پیار آتا ہے
تیرا غم میری محبت کو کہاں لے آیا
میں تیری بزم سے اٹھ کر بھی تیری بزم میں ہوں
میں نے جب خود کو گنوایا تو تجھے اپنایا
رات کا شکر کہ اے انم کہ دن ہوتے ہیں
تیرے پیکر سے اچٹ آئے گا تیرا سایا
ابر کے چاک سے جب رات ستارے جھانکے
اے میرے بھولنے والے تو بہت یاد آیا
بیچ دوں کیوں اسے اک نان جویں کے بدلے
میں نے جس دل کیلئے ایک جہاں ٹھکرایا
اس توقع پہ کہ شاید کبھی انسان سنبھلے
ہر نئے ظلم نے جینے پر مجھے اکسایا

انتخاب ہانیہ رانی کوئٹہ

غزل

مجھے آنسوؤں کی طلب نہیں مجھے زندگی کی تلاش ہے
جسے ڈھونڈ کر بھی نہ پا سکے مجھے پھر اسی کی تلاش ہے
ہے مجھے دشمنوں میں نہ ڈھونڈنا مجھے دوستوں میں
تلاشنا میں محبتوں کا اسیر ہوں مجھے دوستی کی تلاش ہے
ہے میری راہ عزم کی تلاش میں کوئی زندگی کا رفیق
ہو کوئی آنسوؤں کا چراغ دے مجھے روشنی کی تلاش
ہے میں بلندیوں کا ضمیر ہوں میں رفاقتوں کا پذیر
ہوں مجھے نفرتوں کی زمین پر محبتوں کی تلاش ہے

انتخاب افضل آزاد ساہیوال

نہ جسم خریدتے نہ جان خریدتے ندیم
اگر بازار میں ملتی تو ہم ماں خریدتے

علی رضا ساہیوال

غزل

اس کی آنکھوں میں نراس تھا
اک پل کو لگا جیسے وہ دل کے پاس تھا
شہر میں محبت لاپتہ ڈھونڈتا وہ
ہے فراق می ڈوبا یہ میرا قیاس تھا
تھامے کھڑا تھا وہ آنکھوں میں تارے
کیا خدا وہ اندر سے کتنا حساس تھا
پاؤں کی لغزش نے اس سے زمین جو کھینچی
آہ جیسے کوئی ٹوٹا گرا پتا بے آسا تھا
اجنبی کا دوستو یہ حال تھا بند دریچوں
جیسے ہواؤں کا یہ کوئی نکاس تھا
پکڑا چراغ دھرا شیشے میں تو پتہ چلا
نامہ طے محبت جیسے کوئی اقتباس تھا
متعدد بار بھی دہرانے سے عاجز نہیں
اے ندیم وہ کوئی تیرا ہی ہم شناس تھا

داؤد علی بورے والہ
03126360490

خوشی ملی تو بہت سے درد مجھ سے روٹ گئے ندیم
دعا کرو میں پھر سے اداس ہو جاؤں

یاسر وکی دیپالپور

تمہیں جب کبھی ملے فرصت میرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں مجھے کوئی شام ادھار دو

سعود علی بورے والہ

چھوٹی سی بات پر کوئی شکوہ نہ کرنا
جب کوئی بھول ہو جائے تو معاف کرنا
ناراض تب ہونا جب ہم رشتہ توڑ دیں گے
کیونکہ ایسا تب ہوگا جب ہم دنیا چھوڑ دیں گے☆

رانا ظفر علی ساہیوال

تیری بے وفائی کا تجھ سے کیسے گلہ کروں ندیم
میرے تو اپنے نصیب ہی بے وفا نکلے

رمضان تبسم پریمی

غزل

میں درد و غم کو بھلانے کی سوچ رکھتا ہوں
بے وفا زمانے میں وفا نبھانے کی سوچ رکھتا ہوں
کون دیتا ہے وفا اس زمانے میں
میں پھر بھی سب کو آزمانے کی سوچ رکھتا ہوں
خوشیوں سے نفرت کر لی میں نے
غم کے سمندر میں ڈوب جانے کی سوچ رکھتا ہوں
پیار قربانی ہے مانگتا سب جانتا ہوں
اس پیار میں حد سے گزر جانے کی سوچ رکھتا ہوں
کتنا نادان ہوں غیروں سے وفا کی اُمید ہے
نا آشناؤں کی محفل میں کچھ دکھانے کی سوچ رکھتا ہوں
میں تنہا ہوں، تنہا ہی جینا ہے مجھے ندیم
میں تنہا ہی دنیا سے لوٹ کر جانے سوچ رکھتا ہوں

شاعر ملک ندیم عباس ڈھکو ساہیوال
انتخاب باؤ عمر دراز ساہیوال

دل کے بازار میں دولت نہیں دیکھی جاتی
پیار ہو جائے تو صورت نہیں دیکھی جاتی
اک تبسم میں دو عالم کو نچھاور کردوں
مال اچھا ہو تو قیمت نہیں دیکھی جاتی

☆......محمد افضل اعوان۔ گوجرہ

شام سورج کو ڈھلنا سکا دیتی ہے
شمع پروانے کو جلنا سکھا دیتی ہے
گرنے والے کو تکلیف تو ہوتی ہے
مگر ٹھوکر انسان کو چلنا سکھا دیتی ہے

☆......سید اظہر حسین شاہ۔ گاؤں چنیر

قطرہ شبنم کی طرح اڑ جائیں گے گل سو کشور
اک یاد سی رہ جائے گی گلشن میں ہماری

☆......میاں شکیل کشور۔خان پور

کون اپنا تھا کس پہ عنایت کرتے
ہم کو حسرت رہی ہم بھی محبت کرتے
ہم نے سمجھ ہی نہیں اس قابل ورنہ
تم سے محبت نہیں عبادت کرتے

☆......محمد فہیم احمد۔رحیم یار خان

کچھ بد نصیبیاں مقدر میں ملی ہیں
کوئی موت سے بھی بڑی سزا دے گیا
عمر بھر کرتے رہے ہم جن سے وفائیں
جاتے جاتے وہی ہم کو بے وفا کہہ گیا

سیدہ حجاب فاطمہ۔کراچی

کون تیری چاہت کا فسانہ سمجھے گا اس دور میں ساقی
یہاں تو لوگ اپنی ضرورت کو محبت کہتے ہیں

عامر وکیل جٹ

کبھی کبھی یوں لگتا ہے کہ دنیا میں کوئی نہیں باقی
سبھی خواب ہیں ادھورے کوئی سپنا نہیں باقی
مگر جب سے تیری محبت ملی ہے سب کچھ مل گیا
زندگی میں اب کسی چیز کی ضرورت نہیں باقی

☆............عمر دراز ساحر۔ذاکر آباد

کیا ہوا جو تم مجھے بھول گئے سفیان
ڈوبتی ہوئی کشتی کو ملاح بھی چھوڑ دیتا ہے

☆......محمد سفیان۔منڈی بہاؤالدین

کون کہتا ہے نفرتوں میں درد ہے محسن
کچھ محبتیں بھی بڑی اذیت ناک ہوتی ہیں

☆......داؤد علی۔بورے والا

کہاں سے یہ غریب آرزو مجھ کو یہاں لایا
جسے میں پوچھتا تھا آج تک وہ نکلا اک سایہ

☆......ساگر گلزار کنول۔فورٹ عباس

گاؤں والوں کی طرح سکون سے سویا ہوتا
کتنا اچھا تھا میں اک دیوانہ ہوتا
میری دستار میں ہیروں کی جھالر ہوتی
میں بھی تیرے گلے کا بنا ہار ہوتا☆

انتخاب سمیہ عبید

غزل

لگتا ہے جسے زندگی کی شام ہونے لگی ہے
نا آشنا راستوں کی، اجنبی گلیوں کی پہچان ہونے لگی ہے
وہ مجھ سے بہت دور بسا ہے کہیں جا کر
زندگی تنہائی میں مجھ سے انجان ہونے لگی ہے
حالت وقت نے اس قدر ہے رسوا کیا
ہماری بدنامی تو ہر شخص کی زبانی ہونے لگی ہے
قفلِ مٹی سے روح نے اب ہونا ہے آزاد
لیکن زندگی تو اب پیشِ زندان ہونے لگی ہے
خُدا کے لیے کوئی تو اُسے جا کر بتا دے ندیم
کہ اداسی میں میری روح کی اڑان ہونے لگی ہے

شاعر ملک ندیم عباس ڈھکو ساہیوال

محبت سدا غم دیتی ہے

تحریر: محمد ندیم عباس ہواتی آف پتوکی۔ رابطہ نمبر:۔ 0306/9034595

جو دھویں کی رات اور چاند اپنی پوری آب و تاب سے فلک پر اپنی منزل کی طرف گامزن تھا گل پاس کے پھولوں کی خوشبو ماحول کو دلفریب بنا رہی تھی اور اس پر ٹھنڈی ہوا نے ماحول کو آبِ حیات بخش رکھی تھی۔ پر یوم کے ہلکے ہلکے جھونکے ہوا کو مزید خوشبودار بنا رہے تھے۔ چاند ستاروں اور اس میٹھی مہکتی ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہونے کے برعکس لوگ اپنے کمروں میں لحافوں میں دبکے گہری میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہے تھے رات کو دو بجے کا وقت تھا اور دسمبر کا مہینہ اپنے جوبن پر تھا اس شدید سردی اور اس بھیگی رات کو شاید کوئی پاگل ہی باہر کے مزے لوٹ سکتا ہے کہ دسمبر کی اس مہکتی اور بھیگی رات کو دو بجے کے قریب اپنے گھر کی چھت پر موجود تھا ایک ایک میں ہی نہیں بلکہ ماہی بھی میرے ساتھ موجود تھی میں ماہی کی گود میں اپنا سر رکھا ہوا تھا اور اس کی مخمور انگلیاں میرے بالوں میں تھیں ہم دونوں نیم مدحوشی کے عالم میں غضب ڈھاتی سردی کے باوجود ایک دوسرے میں گم، پیار و محبت کے خواب دیکھ رہے تھے ذرا بیلوکل کے کیڑے اور اس رات ماہی واقعی میری نظروں میں اک جل میری یا پچور معلوم ہوتی تھی۔ اس رات میری پسند کے کیڑے اور پرفیوم کی دنیا سے بے خبر، چاند ستاروں کے ہمنوا اپنی محبت میں گم مستقبل کے سہانے خواب بن رہے تھے جبکہ میرے اور ماہی کے گھر والے نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم ظلم کے ظلم سے ڈھیں رہت تھے کہ ہماری محبت کا پھول کھلنے سے قبل ہی مرجھا نہ جائے۔ میرا نام فاروق ہے میری فیملی چار افراد پر مشتمل ہے ابو، امی، باجی اور میں۔ میری پیدائش ایک متوسط گھرانے میں ہوئی میرے ماں باپ نے انتہائی خوشی منائی آخر کیوں نہیں مناتے میں ان کی پہلی اولاد تھا۔ اور شادی کے سات سال بعد پیدا ہوا تھا سو محلے میں مٹھائی تقسیم کی گئی تین سال کی عمر میں سکول داخل کروا گیا یوں وقت کا بے لگام گھوڑا پر لگا کر دوڑا پلک جھپکتے ہی میں 18 سال کا کافی ہینڈسم، سمارٹ نوجوان تھا اور اس فرسٹ ایئر تک تعلیمی مراحل طے کر چکا تھا ہمارے گھر کے ساتھ کمرے تھے چار نیچے اور نیچے کمرے اوپر تھے میرا کمرہ اوپر والے پرشن پر تھا جہاں باقی دو کمرے بھی میرے استعمال میں تھے ایک سنڈی روم جبکہ دوسرے کو لائبریری اور کمپیوٹر روم کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ سونے کے کمرے کے ساتھ خوبصورت سا ٹیرس تھا یہ وہ جگہ تھی جو مجھے بے حد پسند تھی یہیں کھڑے ہو کر اکثر گنگنانا اور چائے پینا میرا پسندیدہ مشغلہ تھا غبانی میری فطرت میں رچی بسی تھی گل پاس گلاب اور جوتیا کے پودوں کے گملے پر وقت ٹیرس پر موجود رہتے تھے۔ ماہی خوبصورت دبلی پتلی لڑکی ہماری ہٹروسن تھی لیکن مجھے 18 سال گا ہو گئے ان سے میل جول کی فرصت نہیں ملی تھی ویسے بھی ان لڑکوں سے ذرا ہٹ کر رہتا تھا کیونکہ ہر طرف سے ٹوٹے دلوں والے میرے دوست تھے جو مجھے وقت کے شیب و فراز عشق و محبت کے الم ناک داستانیں سنا سنا کر ڈرائے رکھتے تھے۔ ایک شام میں اپنی ٹیرس میں کھڑا چائے کا کپ ہاتھ میں لیے کچھ سوچ رہا تھا کہ اچانک میری نظر ماہی پر پڑی میں اس سے اتنی دل جیسی تو نہ لیتا تھا آج تو نیک کر کپڑے پہنے اور بال کو کھلا چھوڑ کر مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ قریب آنے لگی اور پڑھتی ہماری چھت کے قریب آنے لگی اور میری طرف دیکھ کر کچھ گنگنانے لگی اس سے پہلے کہ وہ وہ مزید قریب آتی میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ میں دل جیسی رکھتی ہے مگر دوستوں کی بتائی ہوئی فریب محبت سے بخوبی واقف تھا کہ محبت میں سدا غم ہی ملتے ہیں تبھی محبت کے نام سے بھاگتا تھا میں کمرے میں آتے ہی ڈھ سا گیا کیونکہ ماہی میرے حواس پر حاوی ہو چکی تھی میں نہ کبھی جانتا تھا کہ ماھین وہ واحد لڑکی ہے جسے میں نے کبھی گھر میں بھی اونچی آواز سے بات کرتے ہوئے نہیں سنا تھا اور کالج جاتے بھی اس کی نگاہیں زمین پر یوں مرکوز ہوتی تھیں جیسے کچھ گم ہو گیا ہو لیکن آج وہ پوری طرح میرے ہوش و حواس پر حاوی ہو رہی تھی خیر رات بھر اہی خیالوں میں نیند کی وادی میں اتر گیا۔ صبح فریش ہو کر ناشتہ کیا جلدی سے بائیک اسٹارٹ کرنے لگا تا کہ جلدی کالج پہنچ جاؤں۔ مگر بائیک اسٹارٹ ہونے کا نام نہ لے رہی تھی مجبوراً پیدل ہی نکل پڑا، جونہی میں گیٹ سے نکلا ادھر ماہی اور اس کی سہیلی بھی گھر سے نکلیں اس کی سہیلی نے جب مجھے دیکھا تو ماہی کو مخاطب کرتے ہوئے اونچی آواز میں بولی وہ دیکھو ماہی آج تمہارا شہزادہ پیدل کالج جا رہا ہے میں یہ سب سن کر بڑا حیران ہوا کہ بات یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ خیر ہم ایک ہی بس میں سوار ہو کر کالج پہنچے ہمارے کالج سے اگلے سٹاپ پر گرلز کالج تھا جہاں ماہی پڑھتی تھی کالج میں بور ہوتا رہا بمشکل دو بجے چھٹی ہوئی اور میں گھر پہنچ گیا۔ یونیفارم چینج کر کے کھانا کھایا اور ٹیرس پر کھڑا ہو گیا ادھر ماہی بھی مجھے دیکھ کر چھت پر آ گئی اس نے میرے سامنے کرسی ڈالی اور کتاب ہاتھ میں پکڑ کر پڑھنے لگی مگر وہ پڑھ کیا رہی تھی اپنا سبق یا عاشق کا مضمون یہ سمجھنے میں مجھے دیر نہ لگی کیونکہ تھوڑی دیر بعد ادھر اُدھر دیکھ کر بار بار مسکرا کر میری طرف ہاتھ ہلانے لگی اس کا بار بار ہاتھ ہلانا میرے دل پر بجلیاں گرا رہا تھا وہ بھی حدیں توڑ رہی تھی لیکن میں سنبھل گیا کیا فریب محبت کے قصے ذہن میں آچکے ہوتے تبھی میں اٹھا اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا تقریباً دس منٹ بعد مجھے امی کی آواز سنائی دی میں جو اس کی سوچوں میں گم تھا ماما کی آواز پر چونک اٹھا جلدی سے اپنی حالت درست کی اور نیچے کی طرف آیا سامنے ماہی اپنی ماما کے پاس کھڑا دیکھ کر چودہ طبق روشن ہو گئے جبکہ وہ ادائے بے نیاز سے کھڑی مسکرا رہی تھی بیٹا ماہی کو کسی کتاب کی ضرورت ہے اس کی بات سننا ماما مجھے سے مخاطب ہوتے بولی جی جی ماما بمشکل میرے حلق سے آواز نکلی ماما نے میری طرف دیکھ کر بات تک میں پیچھے پھیر کر اوپر کی جانب پلٹ چکا تھا مطلوبہ کتاب لی واپس پلٹا تو ماہی میرے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی میں نے ان کی طرف کتاب بڑھا دی وہ کتاب پکڑتے ہوئے میری انگلیوں کو چھو گئی۔ میں شیشہ رہ گیا فاروق میری بات سنو میں نے ان کی طرف دیکھا تو اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر اندازہ ہو گیا کہ وہ رات بھر سوئی نہ تھی میں اس کا اشارہ سمجھ گیا جلدی سے نیچے کی طرف چلا وہ آگے بڑھتی ہوئی فاروق میں سمجھ گیا وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی میں نے اس کو پیچھے دھکیل دیا اور سخت لہجہ میں کہا کتاب مل گئی ناب چلتی بنو وہاں کتاب جلدی لوٹانا میری رنجی پر اس کی آنکھوں میں آنسو ٹمٹمانے لگے وہ بے رخی سے کتاب واپس کر کے چلی گئی۔ دوسرے دن وہ کتاب واپس کر کے چلی گئی رات کو میں نے کتاب پڑھنے کو کھولی تو کتاب کے اندر تہہ شدہ کاغذ تھا دیکھتے ہی سمجھ گیا کھولا تو پایا جان سے پیارے فاروق میں نے فلمی ڈائیلاگ تو نہیں بول سکتی مگر وہ ٹوک الفاظ میں اپنی محبت کا اقرار کرتی ہے آپ کی محبت کی بھیگ مانگتی ہوں۔ بہت دنوں سے چھت پر آپ کو دیکھتی ہوں تبھی یہ دل آپ کا دیوانہ ہو چلا ہے اپنے رات دن تیرے نام کر چکی ہوں کتاب کا وبہانا تھا درحقیقت اپنا پیام آپ تک پہنچانا تھا۔ میں بہت حساس لڑکی ہوں پلیز جواب ضرور دینا فقط آپ کی دیوانی ماہی خط کیا تھا ایٹم بم تھا میرے دل میں بھی ہلچل مچ گئی اب نیا دھما کہ آخر کب تک بچتا آخر میں بھی گوشت پوست کا انسان تھا میرے سینے میں بھی ایک دل تھا جو پتھر کا تو نہ تھا۔ آج اس کے خط نے میری نس نس میں محبت کا رس گھول دیا تھا آج میں خود کو ٹوٹا ہوا محسوس کر رہا تھا میرے اندر ایک طوفان آیا تھا میرا ذہن کچھ اور کہہ رہا تھا بہت سوچا مگر ہر طرف سے یہی آواز آئی وہ حساس لڑکی ہے کہیں کچھ کر نہ بیٹھے دل محبت کے حق میں فیصلہ دے رہا تھا جبکہ ذہن انکاری تھا دونوں کی جنگ جاری تھی بل آخر دل جیت ہی گیا ذہن کو شکست ہوئی میرے اندر خون کی گردش تیز ہو گئی اور میں نے بھی اقرار محبت کر ڈالا۔ دن گزرتے گئے ہماری محبت پروان چڑھتی گئی ہماری محبت پاکیزہ محبت تھی دن بھی خوشی ملے چلے تاثرات ہی گزر رہے تھے دوستوں کی باتیں کہ محبت دھوکہ فریب کا نام ہے محبت سدا غم دیتی ہے غلط ثابت ہو رہا تھا سب تک ہم دور سے ہی آنکھوں کی پیاس بجھاتے آئے تھے دسمبر کا آغاز ہو چکا تھا مجھے تو ویسے بھی دسمبر بہت پسند تھا۔ مگر اس مرتبہ دسمبر کچھ زیادہ ہی نکھر گیا تھا میں کیسے بتاؤں وہ دن کتنے خوبصورت، دلفریب اور حسین تھے پہلے میری شامیں اداس اور اکیلے پن کی نذر ہوتی تھیں مگر اب کی بار دسمبر کا ہر دن اور ہر بھیگی شام کچھ زیادہ ہی دلفریب لگنے لگی تھی ایک اس شام میں نے ماہی سے کہا ماہی کبھی تو ایک بھیگی حسین رات میرے ساتھ گزار و پہلے پہل تو وہ نہ مانی مگر بعد میں کہا اگر گھر والوں کو نیا چل گیا تو میرے پر اس نے وعدہ کیا اس کا حل میں نے یہ بتایا کہ گھر والوں کو نشے کی ٹیبلیٹس کھلا دیتے ہیں اور اس شام میں نے قریبی میڈیکل سٹور سے نشے کی ٹیبلیٹس خرید لیں۔ آدھی ماہی کو دیں اور آدھی اپنے لیے رکھ لیں رات کو ماہی نے وہ گولیاں چائے میں گھر والوں کو پلا دیں اور میں بھی کچن میں جا کر امی کو بہانے سے باہر بھیجا بعد دھڑکتے دل کے ساتھ وہ گولیاں چائے میں ملا دیں چائے پینے کے بعد گھر والے اپنے اپنے کمروں میں سو گئے رات کے تقریباً گیارہ بجے ماہی نے مجھے کال کی دو بجے آ جاؤ میں جلدی سے ٹیرس پر آ گیا ادھر ماہی بھی ٹیرس پر آ گئی میں نے زندگی میں اتنا بڑا رسک لیا تھا آج ماہی نے ڈارک بلیو کلر کے کپڑے پہنے تھے اور اس پر تیز پرفیوم کی خوشبو نے مجھے زیادہ مدہوش کر دیا تھا یوں ماہی نے ڈرتے ڈرتے کہا فاروق آج میں نے تمہاری خاطر گھر والوں کو بے ہوش کیا ہے اب وہ سب صبح تک اٹھ نہ پائیں گے میں نے آسمان کی طرف دیکھتے اشارہ کیا ماہی آج چودھویں کا پورا چاند ہے ہاں فاروق لیکن میرا چاند میرا جاند فاروق جی کر رہا ہے کہ آج میری سانسیں یہیں پر رک جائیں ہمار اول دھڑکنا بھول جائے اسے حسین، دلفریب مہکتی اور بھیگتی رات کے سنگ آج ہم بھی ڈھل جائیں ہم دونوں ماہی کے لہجے میں مدہوشی دیکھی لیکن میں نے تنہائی کے احساس سے کوئی قدم نہ اٹھایا ماہی میری زندگی تھی۔ میری دھڑکن تھی میں اپنی زندگی اپنی دھڑکن سے کیسے خیانت کرتا ہماری محبت تو چاندنی کی طرح پاکیزہ تھی ماہی کی گود میں اپنا سر رکھ دیا اور وہ اپنی مخمور انگلیاں میرے سر میں پھیر رہی تھی۔ ہم مستقبل کے خواب بن رہے تھے زمانے سے بالکل مدحوش تھے سردی شدت کے باوجود ہم کھلے آسمان کی بانہوں میں اپنے پیار میں مگن تھے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں عہد و پیما کر رہے تھے چاند اپنی مد حوش چاندنی کو لیے اپنی منزل کی طرف گامزن تھا کہیں دور سے اذان کی صدائیں سنائیں دیں رہی تھیں ہم دونوں اپنی مدحوشی میں مگن تھے کہ اچانک ان صداؤں میں ایک سخت گونج سنائی دی ہم سرتا پاؤں لرز اٹھے جونہی گردن گھوما کر دیکھا تو سامنے چھت پر ماہی کا بڑا بھائی خونخوار انداز سے گھور رہا تھا میں ابھی ٹھیک طرح سنبھل بھی نا پایا تھا کہ ایس نے آگے بڑھ کر مجھے پر لاتوں، مکوں کی برسات کر دی۔ میرے حواس گم تھے جبکہ ماہی حیرت بت بنی کھڑی تھی دو چار ٹھوکر میرے پیٹ پر لگیں جن سے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ماما بھائی کو ہوش آگیا یہ پہلی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی اللہ کا شکر ہے بھائی آپ کو ہوش آ گیا وہ میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو سامنے لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ امی اور آپی کو کھڑے پایا جن کی آنکھیں سوجی اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ وہ جیسے کوئی دو دن سوئیں نہ ہوں ہوش میں آتے ہی میری زبان سے ماہی کا نام نکلا میری ماہی کا کیا حال ہے ماما آپی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں تبھی لیڈی ٹھیک بول وہ ٹھیک ہے۔ پھر ان کی زبان علوم ہوا کہ میں تین دن بعد ہوش آیا ہے۔ (لیکن میرا دل گھبرا رہا تھا میں اُٹھنے لگا تبھی گھر والوں نے تسلی دی میرے منہ، ناک سے خون بہا تھا جس کی وجہ سے بہت نفاست ہوگئی تھی۔ پھر مجھے ہوسٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا گھر آ کر میں سے ساری داستان اول تا آخر سب کے سامنے بیان کر دی اور اٹھ کر ماما کے پاؤں میں بیٹھ گیا وہ غصہ کی حالت میں بھی آنسو بہا رہی تھی میں نے صرف الفاظ میں بولا کہ ماہی کے بنا میں اک پل بھی نہیں رہ سکتا۔ بار بار ماما کو رشتہ مانگنے پر مجبور کیا آخر وہ بھی ماں تھی بیٹے کی حالت برداشت سے باہر ہوئی تو دونوں میاں بیوی ماہی کے رشتہ کیلئے ان کے گھر چلے گئے۔) جونہی میں نے خط پڑھا میرے اوسان خطا ہو گئے میں جلدی سے تیاری کرنے لگا تبھی ماما جان میرے کمرے میں آ گئی وہ خط ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان کی آنکھوں سے اشکوں کی لڑی رواں تھی وہ چپ تھی مگر ان کی آنکھیں سب کچھ بیان کر رہی تھیں۔ ماما پلیز خدا کے لیے آج مجھے مت روکنا میں روتے ان کے قدموں میں بیٹھ گیا وہ بس خاموش تھیں میں ان کے قدموں سے اٹھا اسٹیشن پہنچا ٹکٹ لیا اور کراچی کے لیے سوار ہو گیا۔ دل میں الھونے سے خیالات جنم لے رہے تھے دل گھبرا رہا تھا سارا سفر آنکھوں میں اشکوں کی لڑی بہاتے طے کیا ماہی کی چھو کا ایڈریس خط میں موجود تھا دن اترتے ہی میں رکشہ لیکر ان کی طرف چل پڑا انجام سے بے خبر منزل کی طرف رواں تھا۔ مطلوبہ گھر کے سامنے پہنچتے ہی مجھے دھچکا لگ دل الھونی کے ڈر سے گھبرا اٹھا گھر میں لوگ کا ہجوم تھا وقتاً وقتاً رونے کی آوازیں آرہی تھی میں نے منہ پر رومال ڈالا ہجوم کو چیرتا اندر داخل ہو گیا سامنے نظر پڑتے ہی چیخ نکل گئی کیونکہ سامنے میری ماہی میری جان سفید کپڑوں میں سکون کی نیند سوئی ہوئی تھی۔ میں گرتا چلا گیا آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا میری جان مجھے چھوڑ کر بہت دور جا چکی تھی مجھے اکیلا تڑپنے کیلئے چھوڑ کر منوں مٹی تلے جا چکی تھی۔ انہوں نے سچ کر دکھایا تھا کہ میں جیتے جی کسی اور کی دلہن نہیں ہوگی یوں زہر کھا کر اپنی زندگی ختم کر گئی تھی مجھے سے بے وفائی کر کے اکیلا چھوڑ گئی تھی۔ مجھے ہوش آیا تو ہوسٹل تھا میری ماما اور آپی پاس بیٹھی خون کے آنسو رو رہی تھی میری زبان سے ماہی کا نام ہی نکل رہا تھا پھر حالت غیر ہو گئی آج چودھویں کا چاند ہے مگر میں اکیلا ٹیرس پر کھڑا آنسو بہا رہا ہوں تڑپتا ہوں، سلگتا ہوں، مگر ماہی ابدی نیند سو چکی ہے شاید میری زندگی میں ابھی تڑپنا باقی ہے سو تڑپ رہا ہوں آج دوستوں کی باتیں کچھ سچ دکھائی دیتی ہیں کہ محبت سدا غم دیتی ہے واقعی محبت غم دیتی ہے وہ غم جس کی کوئی دوا نہیں غم جدائی کا ہو یا وفائی کا ہوتا تو غم ہی ہے۔

گفتگو

اسلام علیکم!
کیسے ہیں آپ سب امید کرتا ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے داستان دل کا یہ پہلا قدم بڑھ چکا ہے اور انشاءاللہ جب تک سانسوں نے ساتھ دیا یہ قدم گا بگا آگے بڑھتے رہے ہیں گے اس میں آپ سب دوستوں کے تعاون کا منتظر ہوں امید کرتا ہوں کہ آپ سب میرا ساتھ کبھی بھی نہیں چھوڑیں گے سب دوستوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میرا ساتھ دیا میں اپنے دوستوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس وقت میں کچھ حالات کے ہاتھوں مجبور ہوں مگر میرا یہ خواب تھا کہ میں ادبی خدمت کروں اور یہ خواب آپ سب دوستوں کے تعاون سے پورا ہوا ہے اپنی رائے مجھے ضرور دیجئے گا آپ سب کا اپنا ندیم عباس ڈھکو۔

"اہم نوٹ"

رائٹر سے التماس ہے کہ وہ اپنی تحریریں بھیجتے وقت معیار کا خیال رکھیں۔ تحریریں کاغذ کے ایک طرف ہی لکھیں صاف ہو، کوشش کریں کہ تحریر آپ کی اپنی ہو اور پہلے سے شائع شدہ نہ ہو۔ اگر تحریر ذاتی نہیں تو اس کے ساتھ لفظ انتخاب ضرور لکھیں۔ جن دوستوں کی بکس شائع ہیں وہ اپنی کتاب ارسال کر دیں اس میں سے باری باری مواد شائع کرتے رہیں۔ ندیم

جن دوستوں نے تحریر ارسال کی ہیں وہ صبر کا دامن مت چھوڑیں انشاءاللہ آئندہ شمارے میں سب لوگوں کی تحریریں شامل ہوں گی۔ آئندہ شمارہ پڑھنا مت بھولیں جس میں پاکستان کے نامور رائٹر ماہا ملک (35 بکس رائٹر) اور نزہت جبیں ضیاء، نبیلہ نازش راؤ کے افسانے اور ناول شامل ہوں گے

پہلی قسط

داستانِ دل

شام تنہائی

تحریر: ندیم عباس ڈھلو ساہیوال
0322-5494228

پہاڑی علاقوں میں لہراتے 'بل کھاتے پیچ پیچ راستے عورت کے مزاج کی طرح پیچیدہ ہوتے ہیں۔ ایسی ڈھلانیں ہوتی ہیں' جیسے کوئی حسینہ اونہہ پہاڑی علاقوں میں لہراتے 'بل کھاتے پیچ پیچ راستے عورت کے مزاج کی طرح پیچیدہ ہوتے ہیں۔ ایسی ڈھلانیں ہوتی ہیں' جیسے کوئی حسینہ اونہہ کہہ کر نظروں سے گرا رہی ہو۔ کبھی یہ راستے ایسی بلندیوں پر لے جاتے ہیں، جیسے محبت کی معراج نصیب ہو رہی ہو۔ راج محمد بڑا بدنصیب تھا۔ اسے محبت کی معراج تو کیا۔۔۔ خیرات بھی نصیب نہیں ہو رہی تھی وہ پہاڑی حسینہ اونہہ کہہ کر اسے نظروں سے گراتی رہتی تھی۔ مگر وہ بھی چٹانی حوصلے رکھتا تھا۔ گرتا تھا پھر سنبھلتا تھا۔ ایسے وقت کتابوں میں پڑھا ہوا سبق سمجھاتا تھا کہ گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں۔ اس کے دوست رزاق نے بیزاری سے کہا۔ "یارا! تو یکطرفہ میدان محبت کا شہسوار ہے۔ ایسی آہیں بھرنے والی محبت ساری زندگی ہائے ہائے کرتی رہ جاتی ہے۔" راج محمد جیسے اس کی باتیں نہیں سن رہا تھا۔ بڑی لگن سے گرلز اسکول کے مین گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ رزاق نے اس کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔ "ایک برس گزر گیا۔ وہ نویں جماعت سے دسویں میں آ گئی ہے۔ پہلے پندرہ کی تھی۔ اب سولہ کی ہو گئی ہوگی۔ وہ اٹھان پر جا رہی ہے اور تو ڈھلان پر۔۔۔ وہ اوپر ہی اوپر آسمان کا چاند ہو جائے گی اور تو زمین پر چاند دیکھ کر دعائیں مانگتا رہ جائے گا۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا' کیا کروں" "پہلے اس کے دل میں محبت تو پیدا کر۔ وہ نقاب کے پیچھلے کل بھی تجھے نفرت سے گھورتی تھی۔ آج بھی وہی انداز ہے۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "نفرت سے سہی۔۔۔ وہ مجھے دیکھتی تو ہے نا۔۔۔؟ اس کی نظریں کہتی ہیں' وہ میرے بارے میں سوچتی بھی ہے"۔ "تو نے صرف اس کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ پتا نہیں' وہ نقاب کے پیچھے کیسی ہے؟ پردے کا دستور ہم مردوں نے ہی بنایا ہے۔ مگر دل کے معاملے میں ایسی پابندیوں سے کوفت ہونے لگتی ہے۔" "اس کی آنکھیں بتاتی ہیں' وہ حسن کا شاہکار ہے۔ کشمیر کی وادیوں کی طرح ہری بھری ہے۔ یوں بھی پہاڑی حسن تو پوری دنیا میں مشہور ہے۔" رزاق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پہاڑوں میں صرف حسن نہیں ہوتا' پتھر بھی ہوتے ہیں۔ کیا تجھے پتا ہے۔ وہ اندر سے پتھر بھی ہو سکتی ہے۔" راج نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا تو اسے بدنما پتھر سمجھتا ہے؟" "اگر ہوئی تو۔۔۔۔۔؟" وہ کھوئے ہوئے انداز میں ایسے بولا جیسے تصور میں اپنی سُندس کو دیکھ رہا ہو۔ "مجھے اس کی بدصورتی بھی قبول ہے۔ مگر پتا ہے سُندس کے معنی ہیں ریشم۔۔۔ تُو نے دیکھا ہے 'پردہ کرنے کے باوجود دونوں ہاتھ باہر رہتے ہیں 'اس کے ریشمی وجود کی چغلی کھاتے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے 'وہ یقیناً جیتا جاگتا تاج محل ہوگی۔" رزاق نے کہا۔ "بے شک وہ تاج محل کی طرح پتھریلی ہے۔ ایک ذرا نہیں پگھلتی۔ ایسی نک چڑھی لڑکی تو پورے مظفر آباد میں کہیں نہیں ہوگی۔" "پانی مسلسل گرتا رہے تو پتھر میں بھی سوراخ کر دیتا ہے۔ ایک برس کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ وہ کسی حد تک تو پگھل چکی ہوگی؟" وہ بیزاری سے اسکول گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھ سے کیا پوچھ رہا ہے؟ اس کے تیور کھلی کتاب کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ مگر تیری آنکھوں پر محبت کی پٹی بندھی رہتی ہے۔ آئندہ میں تیرے ساتھ نہیں آیا کروں گا۔" راج محمد نے کہا۔ "ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا تسلسل ہوتا ہے۔ تُو نے وعدہ کیا ہے ہمیشہ میرا ساتھ دیتا رہے گا۔" چھٹی کا وقت ہو گیا تھا۔ اسکول کی عمارت سے گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ راج محمد کے پورے وجود میں جیسے گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ وہ

بالوں اور کالر کو درست کرتا ہوا بڑی بے چینی سے اسکول گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ نقاب والیاں ٹولیوں کی صورت میں باہر آ رہی تھیں۔ مختلف عمر کی بے شمار لڑکیاں عمارت سے نکل کر اِدھر اُدھر بکھر گئی تھیں۔ ان نقاب والیوں کے ہجوم میں اپنی والی کو ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا تھا۔ مگر وہ سُندس کو اس کی منفرد آنکھوں سے اور سرخ بیگ سے پہچان لیتا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی حسب معمول کن آنکھوں سے گھور رہی تھی۔ سہیلی کا ہاتھ تھامے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ راج محمد مسکرا کر سلام کرنے کے انداز میں اپنا دایاں ہاتھ پیشانی تک لایا۔ پھر بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ رزاق دور جاتی ہوئی سُندس کو دیکھ کر بولا۔ " مگر میرے اندر ایک نئی توانائی بھر جاتی ہے"۔ وہ ایک گلی میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ رزاق سر جھٹک کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اب چلیں۔۔۔۔؟ ہر روز اپنی دکان ملازموں پر چھوڑ کر یہاں بیٹھ جاتا ہے۔ پتا نہیں اتنی دیر میں وہ کتنا گھپلا کرتے ہوں گے؟" راج محمد جوتوں کا کاروبار کرتا تھا۔ اس کے ساتھ اپنی دکان کی طرف جانے لگا۔ رزاق نے کہا۔ " کتنی بار سمجھایا ہے' محبت میں اظہار ضروری ہوتا ہے۔ کسی دن چھٹی کے بعد اس کا پیچھا کر۔ جہاں بھی تنہائی ملے اپنے دل کی بات کہہ دے۔" وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "مجھے اُلٹے سیدھے مشورے نہ دے۔ اس کے گھر والوں نے دیکھ لیا تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔" "اس کے سر پر نہ باپ کا سایہ ہے 'نہ جوان بھائی کا ہاتھ ہے۔ ایک بوڑھی ماں اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔ وہ دس برس کا بچہ تیرا کیا بگاڑ لے گا؟ اس کے گھر میں تو اسلحہ بھی نہیں ہوگا۔" وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "پھر بھی یار! گلی میں ایک لڑکی سے بات کرنا عجیب سا لگتا ہے۔" "محبت اور جنگ میں ہر طرح کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ کیا خبر وہ تجھے اس لیے گھورتی ہو کہ محبت کرتا ہے تو اظہار کیوں نہیں کرتا؟ حسیناؤں کی فطرت کو سمجھ میری جان! یہ جی دار عاشق پسند کرتی ہیں۔" راج نے ایک ذرا رک کر اسے دیکھا۔ وہ اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولا۔ "ابھی میرے سامنے قسم کھا کر کل اس کا پیچھا کرے گا اور جس سنسان گلی میں موقع ملے گا' اپنے دل کی بات کہہ دے گا۔ اس طرح اس کے دل کا بھید بھی مل جائے گا۔" وہ بولا۔ "تُو کہتا تو ٹھیک ہے۔ مگر۔۔۔۔۔۔" "اگر مگر چھوڑ۔۔۔ پچھلے برس سے مکھیاں مار رہا ہے۔ ایک بات کہتا ہوں' اب اُس سے حال دل نہ کہا تو تیری میری دوستی ختم۔۔۔" وہ جلدی سے بولا۔ "مجھے تیرا مشورہ قبول ہے۔ بس یہ سوچ کر دل ڈوب رہا ہے کہ اس کی طرف سے حوصلہ افزا جواب نہ ملا تو کیا ہوگا؟" وہ راج کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرے کو اِدھر اُدھر سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اچھا خاصا ہیرو لگتا ہے۔ مجھے یقین ہے 'وہ انکار نہیں کرے گی ویسے بھی تیری لگن بتاتی ہے 'تو پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہے۔ اس پتھر کو موم بنا کر ہی چھوڑے گا۔" "پتا نہیں وہ موم بننے والی تھی یا نہیں؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔ اس رات راج محمد کو نیند نہیں آئی۔ ایک ذرا دیر کے لیے آنکھ لگیت بھی تھی تو وا نقاب کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی آنکھیں ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ ایسے وقت رزاق کی یہ بات دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگتی تھی۔ " کیا خبر وہ تجھے اسی لیے گھورتی ہو کہ محبت کرتا ہے تو اظہار کیوں نہیں کرتا؟" اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ کل مناسب موقع دیکھ کر سندس سے اظہار محبت ضرور کریگا۔ یہی سوچ سوچ کر وہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا مگر کسی پہلو چین نہیں آ رہا تھا۔ پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ محبت کرنا آسان ہے۔ لیکن اظہار محبت کرنا بہت مشکل ہے۔ رزاق کی دھمکی بھی مجبور کر

رہی تھی کہ سندس سے بات کرنی چاہیے۔ مگر کیسے کرنی چاہیے؟ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ طرح طرح کے رومانی اور جذباتی فقرے تراش رہا تھا پھر خود ہی انہیں مسترد کر رہا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بولا۔ "ہائے سُندس! تم اپنے بستر پر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہوگی۔ تمہیں تو خبر بھی نہیں ہوگی کہ یہاں یہ دیوانہ کیسے تڑپ رہا ہے۔ کیا کروں؟ کیسے اپنے دل کا حال سناؤں؟ تمہیں مخاطب کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔" وہ لائٹ آن کر کے شاعری کی مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔ حسب حال موزوں الفاظ کا ذخیرہ مل رہا تھا۔ مگر یہ خیال بے چین کر رہا تھا کہ اس کے روبرو پہنچ کر یہ باتیں دماغ میں رہیں گی بھی یا نہیں؟ صبح ہوتے ہوتے یہی بات سمجھ میں آئی کہ سرراہ اظہار محبت نہیں ہو سکتا اور ملاقات کسی صورت ممکن نہیں تھی۔ لہٰذا وہ حال دل کو ایک صفحے پر اتارنے لگا۔ اس روز اسکول کی چھٹی ہوئی تو رزاق اسے سُندس کے پیچھے جانے کا اشارہ کر کے خود ایک دکان پر بیٹھ گیا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا اور کچی ڈور سے بندھا محبوبہ کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ اس کی سہیلی نورگل نے سر گھما کر دیکھا پھر سندس کو ٹھوکا دیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "وہ تمہارا عاشق نامراد ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔" وہ چلتے چلتے ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ پریشان ہو کر بولی۔ " کیا کہہ رہی ہو؟" "ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ذرا پلٹ کر دیکھو۔" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں سرگوشی کی۔ " مگر وہ ہمارا پیچھا کیوں کر رہا ہے؟ کسی نے دیکھ لیا تو غضب ہو جائے گا۔ خواہ مخواہ بدنامی ہوگی۔" "ہمارا محلّہ ابھی دور ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ پیچھا کرتا ہوا گھر تک پہنچے۔ اس کی یہیں خبر لے لی جائے تو مناسب رہے گا۔" وہ چلتی جا رہی تھیں اور دھیمی آواز میں بولتی جا رہی تھیں۔ سُندس نے پریشان ہو کر کہا۔ "خبر لینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہمیں گلی میں رک کر اس سے بات کرنی پڑے گی۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "نہیں۔ گھر لے چلو۔ بیٹھک میں چاہے پانی پلانا پھر بات کرنا۔" اس نے گھور کر نورگل کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولی۔ "اگلی گلی میں سناٹا ہوتا ہے۔ وہیں اسے روکیں گے۔" راج محمد اور ان کے درمیان تقریباً دس فٹ کا فاصلہ تھا۔ وہ اس فاصلے کو ختم کرنے کا حوصلہ نہیں کر پا رہا تھا اور لڑکیوں کے پیچھے پیچھے چلنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے بے چین ہو کر کے سوچا۔ " کروں؟ کیسے انہیں مخاطب کروں؟ یہ تو چلتی ہی چلی جا رہی ہیں۔" ایسے ہی وقت وہ دوسری گلی میں مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا اس گلی کے کونے پر پہنچا تو ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ وہ خلاف توقع ایک درخت کے پاس ایسے کھڑی ہوئی تھیں جیسے اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ وہ ہچکچاتا ہوا اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا اس سے ذرا فاصلے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ نورگل نے اسے گھورتے ہوئے ذرا کڑک لہجے میں پوچھا۔ "تم ہمارا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟" وہ خط اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ وہ اس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے غلط نہ سمجھو۔۔۔ میں تو۔۔۔" "یعنی لڑکیوں کو دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا اور ان کا پیچھا کرنا غلط کام نہیں ہے؟ ابھی میرے بھائیوں نے دیکھ لیا تو تمہاری کھال کھنچوا دیں گے۔" وہ اس کے پیچھے کھڑی ہوئی سندس کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے بہت مجبور ہو کر یہ قدم اٹھایا ہے۔" نورگل نے پوچھا۔ " کیسی مجبوری؟ تم چاہتے کیا ہو؟ روز اسکول کے باہر بیٹھے رہتے ہو۔ آج یہاں تک چلے آئے ہو۔ کیا ہمیں بدنام کرنا چاہتے ہو؟" سُندس بہ دستور خاموش تھی۔ اس کی

نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ نورگل نے پوچھا" پھر کیا ہے تمہارے دل میں۔۔۔۔؟" وہ محبوبہ کی آواز سننے کے لیے بے چین تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ " کیا یہ کچھ نہیں بولیں گی؟" سُندس نے سر اٹھا کر اسے ناگواری سے دیکھا۔ پھر کترا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ سہیلی نے کہا۔ "اسے تو تم چپ ہی رہنے دو۔ یہ بولے گی نہیں۔ کھری کھری سنائے گی۔" راج محمد کے دل نے دھڑک کر کہا۔ "چاہیے گالیاں ہی دو۔ مگر کچھ تو بولو۔۔۔! ایک بار۔۔۔۔۔ بس ایک بار تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں۔ پھر خط دے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔" سُندس نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔ وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم جانتی ہو۔ تمہاری سہیلی جانتی ہے میں اسکول کے باہر کس کا انتظار کرتا ہوں؟ یہ بھی محسوس کرتی ہوگی کہ میں نے آج تک کوئی ناز یبا حرکت نہیں کی ہے۔ کبھی تمہیں بدنام کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔" "مگر آج کر رہے ہو۔" کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔۔۔ وہ درخت کا سہارا لے کر دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔ راج محمد نے بے چین ہو کر اسے دیکھا۔ لہجے کا دھیما پن اور آواز کی مٹھاس بتا رہی تھی کہ مصری کی ڈلی ہے۔ وہ بہ دستور منہ پھیرا کر کہہ رہی تھی۔ "اور اگر نہیں کر رہے ہو تو ابھی اسی جگہ سے واپس پلٹ جاؤ۔ آئندہ ہمارے پیچھے نہ آنا۔" پھر وہ نورگل کا بازو پکڑ کر آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "چلو۔۔۔ دیر ہو رہی ہے۔" وہ آگے بڑھنے لگیں۔ اس نے جلدی سے ان کے پیچھے آتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا تھا سرراہ نہ تم میری سنو گی' نہ اپنی کہو گی۔ اس لیے میں۔۔۔۔ یہ لکھ کر۔۔۔۔" نورگل نے چلتے چلتے پلٹ کر دیکھا۔ وہ خط والا ہاتھ اسے دکھاتے ہوئے بولا۔ "اپنی دوست سے کہو 'محبت کرنے والے بدنام نہیں کرتے۔ میں اس کے گھر سے 'اس کے خاندان سے حتیٰ کہ اس کے نام سے بھی واقف ہوں۔" سُندس ایک جھٹکے سے رک گئی۔ دل کی دھڑکنیں اچانک ہی بے ترتیب ہو گئیں۔ پل بھر کو ایسا لگا' جیسے سرراہ اس کے سر سے چادر نوچ لی گئی ہو۔ ایک غیر شخص کی زبان سے یہ سن کر کانپ گئی تھی کہ وہ اس کے نام سے واقف ہے۔ اس نے پلٹ کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تم۔۔۔ تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" وہ بولا۔ "یہ مت پوچھو۔ یہ دیکھو کہ اتنا سب کچھ جاننے کے باوجود میں نے کبھی تمہیں پریشان نہیں کیا ہے۔ ہمیشہ تمہاری عزت کرتا رہا ہوں اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔" وہ خط والا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں تمہیں بدنام کرنے کے لیے تمہارا پیچھا نہیں کر رہا ہوں۔ یہ لے لو۔ میں یہیں سے پلٹ جاؤں گا۔" وہ اس کاغذ کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ کیا ہے؟" "جو کہہ نہیں سکتا۔ وہ لکھ کر لایا ہوں۔" وہ گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "خدا کے لیے۔۔۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی۔" پھر وہ تیزی سے پلٹ کر نورگل کے ساتھ وہاں سے جانے لگی۔ وہ پیچھے آتے ہوئے بولا۔ "رُکو۔ میری بات سنو۔۔۔" سندس نے چلتے چلتے بے بسی سے سوچا۔ " کیا مصیبت ہے؟ میں اسے دھتکار بھی نہیں سکتی۔ یہ میرا نام جانتا ہے۔ گھر کا پتا جانتا ہے۔ اگر سخت رویہ اختیار کروں گی تو یہ دشمنی پر اتر آئے گا۔ مجھے بدنام کرے گا۔ آج پیچھا کر رہا ہے۔ کل گھر تک پہنچ جائے گا۔ چاچا، تایا کو خبر ہوگی تو وہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔" نورگل نے سرگوشی میں کہا۔ "اس سے پیچھا چھڑانے کا آسان حل یہی ہے۔ وہ کاغذ لے لو۔" "اس نے الجھ کر پوچھا۔" کیا وہ پیچھے آ رہا ہے؟" "ہاں۔ پیچھے وہ ہے۔ آگے ہمارا محلّہ ہے۔ اس سے فوراً جان

چھڑاؤ۔ ورنہ بڑی بدنامی ہوگی۔" اس کی رفتار دھیمی ہو گی۔ دوسری طرف راف محمد کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ اس نے سہیلی کو اشارہ کیا۔ وہ پلٹ کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔ "لاؤ۔ وہ کاغذ مجھے دو۔" وہ بولا۔ "یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ اپنی سہیلی سے کہو وہ خود اس خط کو وصول کرے اور اپنی ماں کی قسم کھا کر کہے اسے ضرور پڑھے گی۔" سندس تنگ آ گئی تھی۔ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ فوراً ہی پلٹ کر وہ خط لیتے ہوئے بولی۔ "ضرور پڑھوں گی۔ اب تم جاؤ۔" پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی سہیلی کے ساتھ اس سے دور ہوتی چلی گئی۔ وہ پہلے ادھر دیکھتا رہا پھر بڑی محبت سے اپنے ہاتھ کو سہلانے لگا۔ اس درد جانے والی کا ہاتھ خط لیتے وقت اس کے ہاتھ کو چھو کر گیا تھا۔ پورے ایک برس بعد بدن نے بدن پر پہلی بار ہلکی سی دستک دی تھی۔ ☆☆

یہ وادیاں یہ پربتوں کی شاہزادیاں پوچھتی ہیں کب بنے گی تو دلہن۔۔۔۔ ریڈیو سے دھیمی آواز میں گیت کے بول ابھر رہے تھے۔ نورگل نے دبے قدموں کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ "ہوں۔۔۔ کل خط پڑھنے سے پہلے تو بڑے مزاج دکھا رہی تھیں۔ پھر آج یہ کس سجن کو دعوت دی جا رہی ہے؟" سُندس بستر پر آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھی۔ سہیلی کی آواز سن کر چونک گئی۔ فوراً ہی بستر سے اترتے ہوئے بولی۔ "ارے تم کب آئیں؟" وہ چادر اتارتے ہوئے بولی۔ "بس ابھی بھائی جان چھوڑ کر گئے ہیں۔" سُندس فوراً ہی اس کے ہاتھ سے چادر لے کر تہ کرتے ہوئے بولی۔ "اس کا مطلب ہے' آج تم بھی اسکول نہیں گئیں؟" وہ بستر کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ " کل تم نے منع کر دیا تھا۔ اس لیے میں نے بھی چھٹی کر لی اور جاتی بھی تو تمہارا وہ مجنوں میرے پیچھے پڑ جاتا۔" وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے ناگواری سے بولی۔ "اس کی بات نہ کرو۔" نورگل نے ریڈیو کو دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اچھا جی۔۔۔ اُس کی بات نہ کروں تو یہ گانا کس سجن کے لیے سنا جا رہا ہے؟" "ریڈیو پر اپنی پسند کے نہیں۔۔۔ دوسروں کے فرمائشی نغمے سنے جاتے ہیں۔" "ویسے یہ جس کی بھی فرمائش ہے' تمہارے حسب حال ہے۔" وہ ریڈیو کو آف کرتے ہوئے بولی۔ "میں کس سجن وجن کا انتظار نہیں کر رہی ہوں۔ تم یہاں بیٹھو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر جانا چاہتی تھی۔ نورگل اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ " کیا واقعی وہ تمہیں اچھا نہیں لگتا؟" "تمہیں پسند ہے؟" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں پسند کر کے کیا کروں گی؟ وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔ اچھا خاصا گبرو جوان ہے۔ تم پچھلے سال سے دیکھ رہی ہو۔ بے چارہ تمہارے انتظار میں اسکول کے باہر بیٹھا سوکھتا رہتا ہے۔ قسم سے۔۔۔۔ اگر میرا کوئی ایسا دیوانہ ہوتا تو میں فوراً ہی اس سے محبت کر بیٹھتی۔" "دیوانوں کا کیا ہے؟ یہ تو جاڑوں میں بھی فالودہ مانگتے ہیں۔" وہ اس کے بازو پر چٹکی بھرتے ہوئے بولی۔ "وہ دیوانہ خوب جانتا ہے۔ تم فالودہ نہیں ہو۔ گرما دینے والی کشمیری چائے کی بھری پیالی ہو۔۔۔ یہ بتاؤ خط کا جواب لکھ دیا؟" "میں کسی کو جوابدہ نہیں ہوں۔" نورگل نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ " کچھ تو کہنا ہوگا۔ ورنہ وہ روز ہمارا پیچھا کرتا رہے گا۔ بدنامی پھیلے گی تو گھر والوں تک بھی پہنچے گی۔" وہ پریشان ہو کر بولی۔ "مصیبت تو یہ ہے کہ وہ بدبخت میرا نام بھی جانتا ہے۔ تم ہی اس سے پیچھا چھڑانے کی کوئی تدبیر بتاؤ۔" نورگل تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "اس سے کہہ دو کہ تم کسی اور کو پسند کرتی ہو۔ یہ سنتے ہی وہ پیچھے ہٹ جائے گا۔" "پاگل ہوئی ہو؟ یہ سن کر تو وہ اور بھڑک اٹھے گا۔ ان مردوں کو رقابت کی آگ سب سے زیادہ

جلاتی ہے۔ وہ انتقاماً مجھے بدنام کرتا پھرے گا۔" وہ قائل ہو کر بولی۔ "تو پھر کہہ دو کہ تمہاری منگنی ہو چکی ہے۔ بہت جلد شادی ہونے والی ہے۔ اگر وہ واقعی محبت کرتا ہے تو تمہیں بدنام نہ کرے۔ تمہاری زندگی سے چلا جائے۔" وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "تم نے بھی اس کا خط پڑھا ہے۔ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ منگنی کا جھوٹ پکڑا جائے گا۔ کوئی اور تدبیر سوچو۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "ویسے وہ تمہارا دیوانہ کم اور جاسوس زیادہ لگتا ہے۔ اچھی طرح خبردار رہ کر تمہیں بھی خبردار کر رہا ہے۔" وہ بولی۔ "اس وادی کی ہزاروں لڑکیاں ایسی ہیں" جو محبت کسی سے کرتی ہیں اور بیاہ کر کسی اور کے ساتھ چلی جاتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں محبت کا انجام شادی نہیں ہوتا۔ پھر بھی دل کے معاملات کسی کی نہیں مانتے۔ جہاں جواں دل دھڑکتے ہیں وہاں محبت گنگناتی ضرور ہے۔" راج محمد کے اندر محبت گنگنا نہیں رہی تھی 'چیخیاں مار رہی تھی۔ اس نے پہلی بار سندس کا سامنا کیا تھا۔ اس کے رویے میں جو بے نیازی اور بے اعتنائی تھی، وہ اسے حد درجہ مایوس کر رہی تھی۔ دماغ میں ایک ہی سوال اٹکا ہوا تھا۔ "وہ خط کا جواب دے گی یا نہیں؟ اور جواب میں پھول کھلیں گے یا کانٹے چبھیں گے؟" دوسرے دن اسکول کے گیٹ پر نہ کبوتر آیا، نہ کبوتر نامہ۔۔۔ ساری لڑکیاں ایک ایک کر کے آگے سے گزر گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا 'اسکول کی چھٹی کے ساتھ اس کے پیار کی بھی چھٹی ہو گئی ہے۔ راج محمد کی نظریں بہ دستور اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ دیدار یار کے لیے ترستی ہوئے ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ مایوسی پر مُہر لگاتا جا رہا تھا۔ لیکن آس تھی کہ ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ رزاق اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ زیر لب گنگنانے لگا۔ "انتہا ہو گئی انتظار کی۔۔۔ آئی نہ کچھ خبر میرے یار کی۔۔۔" راج محمد نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "تو میرا مذاق اڑا رہا ہے؟" "تمہیں۔ میں تو گانا گا رہا ہوں۔" وہ تھوڑی دیر تک اسکول کے گیٹ کو دیکھتا رہا پھر بے چین ہو کر بولا۔ "وہ باہر کیوں نہیں آ رہی ہے؟" رزاق نے بیزاری سے کہا۔ " آدھے گھنٹے سے سمجھا رہا ہوں۔ وہ اسکول نہیں آئی ہے پھر اندر سے برآمد کیسے ہوگی؟" "تجھے کیسے پتا۔۔۔؟" "پورا اسکول خالی ہو گیا۔ وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ آج اس نے چھٹی کی ہے۔" " مگر کیوں۔۔۔۔؟" "اس کا جواب تو ہی جانتا ہے۔ سچ بتا تو نے خط لکھا تھا یا کوئی ڈراؤنی کہانی لکھ دی تھی؟ یا محبت سے انکار پر اسے گولی مار نے کی دھمکی دی تھی؟" اس نے ناراضی سے کہا۔ " کیوں فضول باتیں کر رہا ہے۔ ذرا میرے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچ، ہو سکتا ہے وہ میرے اظہار محبت پر شرما گئی ہو۔" وہ بڑی لگاوٹ سے اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ کل وہ اسے چھو کر گئی تھی۔ اس کا ریشمی لمس جیسے اسے تھپکیاں دے رہا تھا کہ پھول سے جذبات رکھنے والیاں پتھر نہیں مارتیں۔ وہ موم سے بنی ہے۔ آج نہیں تو کل محبت کی آنچ میں پگھلنے لگے گی۔ رزاق نے اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ پیاسی ہوتی تو پانی پینے ضرور آتی۔ یکطرفہ محبت بھیک مانگنے کی طرح ہوتی ہے۔ میرے یار۔۔۔!" "مجھے اس کی خیرات بھی قبول ہے۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔ " کیوں ایک لڑکی کے سامنے خود کو اتنا گرا رہا ہے؟ وہ تجھ سے محبت نہیں کرے گی۔ خدا کا واسطہ۔۔۔ اپنا راستہ بدل لے۔" "تو اپنی قیاس آرئیاں اپنے پاس ہی رکھ۔ یہ لڑکیاں محبت کے معاملے میں بڑی شرمیلی ہوتی ہیں۔ وہ فی الحال اقرار نہیں کرے گی۔ مگر میں جانتا ہوں، انکار بھی نہیں کرے گی۔" اس نے بیزاری سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ادھر دیکھ۔۔۔۔! اسکول

کا گیٹ بند ہو گیا ہے۔ ہمیں بھی چلنا چاہیے۔ دیر ہو رہی ہے۔" اس نے مایوسی سے ادھر دیکھا پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ " آج اسے نہیں دیکھا تو لگ رہا ہے جیسے میرے ہی دل سے میرا رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔" "اور تیری حالت دیکھ کر مجھے یہ سبق مل رہا ہے کہ محبت اچھے خاصے انسان کو نکما بنا دیتی ہے۔ دل لگانے سے بہتر ہے بندہ دل لگی کرتے ہوئے ہشاش بشاش رہا کرے۔" وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ "بے وقوف! دل لگایا نہیں جاتا۔۔۔ لگ جاتا ہے۔ محبت تو جینا سکھاتی ہے۔ زندگی کو رنگین بتاتی ہے۔" راج محمد کا دل سندس کی غیر حاضری میں اٹکا ہوا تھا۔ اس نے اسکول نہ آ کر اسے الجھن میں ڈال دیا تھا اور یہ الجھن اس کی آمد پر ہی سلجھنے والی تھی۔ وہ اپنی دکان میں آ کر گم صم بیٹھا رہا۔ نہ دکانداری میں دل لگ رہا تھا۔ نہ گھر داری میں۔۔۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عشق نے اُسے گھر کا رکھا تھا نہ گھاٹ کا۔۔۔ دوسرے دن اسکول کی چھٹی ہوئی تو وہ بے چینی سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی خوشی سے چہک کر بولا۔ " آج وہ آئی ہے۔" وہ نورگل کے ساتھ عمارت سے باہر آ رہی تھی۔ راج محمد کو دیکھ کر دور ہی سے ایسے کترا گئی جیسے اس کی موجودگی سے بے خبر ہو۔ محبوبہ کی ایسی بے رُخی نے اسے پریشان کر دیا۔ اس نے رزاق سے کہا۔ "وہ۔ وہ مجھے کیوں نہیں دیکھ رہی ہے؟" اس نے مسکرا کر کہا۔ "وہ تجھے دیکھتی ہی کب ہے؟ ہمیشہ گھورتی ہے۔" "یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ اس کے رویے سے میرا دل ڈوب رہا ہے۔" وہ نورگل کے ساتھ ان سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ تڑپ کر بولا۔ "میں ابھی اس کے پیچھے جاتا ہوں اُس سے بات کرتا ہوں۔ اسے خط کے جواب میں کچھ تو کہنا چاہیے۔" وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے پیچھے جانے لگا۔ ان کے درمیان اچھا خاصا فاصلہ تھا۔ وہ دوڑنے کے انداز میں چل رہا تھا۔ اس مخصوص گلی میں پہنچتے ہی اس نے پکارا۔ "سنو۔۔۔۔" وہ چلتے چلتے ایک دم سے ٹھٹک گئیں۔ راج محمد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بے رخی کی وجہ جاننے آیا ہوں۔ کیا میں نے خط میں کچھ غلط لکھ دیا تھا؟" وہ پلٹ کر سخت لہجے میں بولی۔ "شریف لڑکیوں کو پریشان کرنا شاید تمہارا مشغلہ ہے؟" "میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ بس یہ پوچھنے آیا ہوں کہ۔۔۔۔" اس نے ایک ذرا ہچکچا کر نورگل کو دیکھا۔ پھر سندس سے کہا۔ "میرے خط کا جواب کیا ہوگا؟" "وہ خط جواب کے قابل نہیں تھا۔" "یعنی تم جواب دینے کے قابل نہیں ہو۔ جواب میں نہ محبت لکھ سکتی تھیں نہ نفرت۔۔۔ ابھی تک الجھن میں ہو۔ اپنی سہیلی سے پوچھ لو۔ تمہاری اس الجھن کے پیچھے محبت چھپی ہوئی ہے۔" راج محمد نے جیسے اس کے دل کے چور کو پکڑ لیا تھا۔ اس نے جھینپ کر نورگل کو دیکھا۔ وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔ سندس نے منہ پھیر کر کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کسی خوش فہمی میں نہ رہیں۔" وہ پلٹ کر نورگل کے ساتھ سے جانے لگی۔ وہ پیچھے آتے ہوئے بولا۔ "شاید تم محبت کو جرم سمجھتی ہو۔ اس لیے ڈراتی ہو؟" وہ رک کر بولی۔ "محبت وہ حماقت ہے جو نادانیوں سے شروع ہو کر بدنامیوں پر ختم ہوتی ہے۔ اور میں بدنام نہیں ہونا چاہتی۔ مجھ سے کسی تعلق کی توقع نہ رکھو۔" اس نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر سہیلی کے ساتھ چلتی ہوئی اس سے دور ہوتی چلی گئی۔ راج محمد کا دل اس بری طرح ٹوٹا تھا کہ پل بھر کو ایسا لگا۔ جیسے وہ دھڑکنا بھول گیا ہو۔ وہ ایک درخت کا سہارا لیتا ہوا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ وہ گلی محبوبہ کے وجود سے خالی ہو گئی تھی۔ مگر اس کی یہ بات کانوں میں گونج رہی تھی۔ جیسے اسے ٹھوکریں مار رہی تھی۔ "مجھ سے کسی تعلق کی توقع نہ رکھو۔۔۔" اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں

سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ سینے میں لرزتا ہوا دل ہولے کہہ رہا تھا۔ " کیا اسی جواب کے لیے ایک برس سے اس کی راہیں تک رہا تھا؟ وہ سنگدل حسینہ تیری چاہت کے قابل نہیں ہے۔ اسے بھول جا۔۔۔" وہ انکار میں سر ہلا کر زیر لب بولا۔ "میں سانس لینا بھول سکتا ہوں۔ مگر اسے نہیں بھلا سکتا۔۔۔" "اُس پتھر کو پوجنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" "محبت اپنا صلہ نہیں مانگتی۔ میں اس کی چاہت نہ بن سکا۔ مگر وہ ہمیشہ میری چاہت رہے گی۔ میں اسے نہیں بھلا سکتا۔۔۔ کبھی نہیں بھلا سکتا۔۔۔" وہ دن کسی طرح گزر گیا۔ رات نہیں گزر رہی تھی۔ سندس اُس کا اوڑھنا بچھونا بن گئی تھی۔ پھر بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے صندوق سے ایک چاقو نکال کر اسے کھولا۔ بلب کی روشنی میں اس کی تیز دھار چمک رہی تھی۔ اس کی نوک سندس کو پکار رہی تھی۔ " آؤ دیکھو۔۔۔ تمہارا پیار میرا لہو مانگ رہا ہے۔" اس نے سیدھے ہاتھ سے چاقو کو تھام لیا۔ پھر الٹے ہاتھ کے پہونچے سے کلائی تک اس کا نام لکھنے لگا۔ اسے دیوانگی بھی کہہ سکتے ہیں اور پاگل پن بھی۔۔۔ محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔ عقل سے خالی کر دیتی ہے۔ اُس کی نوک کھال میں چبھی اور گوشت میں اتر گئی۔ وہ جلی حرف میں ایس (S) لکھنے لگا۔ "ایس۔۔۔۔۔ ہاں۔ تیرا نام دل پر تو نقش ہے پر تجھے نظر نہیں آتا۔ اب دیکھ سکے گی۔" پھر اُس نے یو (U) لکھا۔ " محبت گواہی چاہتی ہے۔ اے میرے خون جگر کھل کر گواہی دینا۔" پھر این (N) لکھا۔ " گھر کے دروازے سے قبر کے کتبے تک اس کے مکیں کا نام لکھا جاتا ہے۔ میں اپنے وجود کے مکان پر تیرے نام کی تختی لگا رہا ہوں۔ "لہو کی دھار ڈی (D) لکھنے لگی۔ "تو نے ڈیرا جما لیا ہے۔ دل میں دماغ میں جو اس پر اعصاب پر۔۔۔ قیامت کے روز یہ ہاتھ تیرا ہی نام لے کر قبر سے اٹھے گا۔" وہ ہاتھ تقریباً لہو میں ڈوب گیا تھا۔ اُس نے لہو کو پونچھتے ہوئے لکھنے کی جگہ نائی۔۔۔ اے (A)۔۔۔ اے سندس۔۔۔! تیرا ریشمی نام میرے لہو میں بھیگ رہا ہے۔ سنا ہے جو محبت لہو روتی ہے وہ دل پہ اثر کرتی ہے۔" آخری حرف ایس (S) بھی لہو میں ڈوب کر ابھرنے لگا۔ "انتہا ہو گئی" "میرے پیار کی۔۔۔۔ کیا اس انتہا کی اب بھی ابتدا نہیں کرے گی؟" کسی کو قتل کرنے کے لیے اتنی چھریاں نہیں چلتیں، جتنی وہ خود پر چلا چکا تھا۔ ایک ایک حرف سے ابھرنے والا لہو رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے ٹب کے پانی کی ٹھنڈک میں اس ہاتھ کو ڈبو دیا اور وہیں نڈھال سا ہو کر بیٹھ گیا۔ دوسرے دن اس نے پوری آستین کی قمیص پہنی تا کہ رزاق زخمی نام اور پیار کی زخمی پہچان کو نہ دیکھ پائے۔ وہ پیار کی پبلسٹی نہیں چاہتا تھا۔ صرف سندس کو سمجھانا چاہتا تھا کہ اس کی بے رُخی اسے کس طرح کچو کے لگا رہی ہے۔ اس دن وہ اسی سنسان گلی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ چھٹی ہوئی تو سندس نے گیٹ سے باہر آتے ہی بے اختیار اُدھر دیکھا، جدھر وہ پچھلے ایک برس سے آسن جمائے بیٹھا رہتا تھا۔ وہ وہاں نظر نہیں آیا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ پہلی بار یوں لگا جیسے وہ خالی خالی سی ہو گئی ہے۔ اندر بیٹھنے والا کہیں چلا گیا ہے۔ اس دیوانے نے اسے لاشعوری طور پر اپنا عادی بنا لیا تھا۔ وہ کبھی سمجھ ہی نہ پائی کہ انجانے میں اس کے ساتھ کچھ ہو رہا ہے۔ نورگل نے حیرانی سے کہا۔ "وہ کدھر گیا؟ وہ تو ایسا دیوانہ ہے کہ موت ہی اسے یہاں سے اٹھا سکتی ہے۔" سندس نے چونک کر تڑپ کر اسے دیکھا پھر ڈوبتے ہوئے دل سے آگے بڑھ گئی۔ گل بانو نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "تم نے اُس کا دل توڑا ہے۔

(باقی آئندہ شمارے میں)

اپنے کیئے کی سزا

(تحریر:۔ مریم مہربان ملک)

میں فقط زندگی کو زندہ لاش کی طرح جی رہی ہوں زندگی کے کورے کاغذ پر محبت کے خوبصورت رنگ بکھیرنے تھے وہاں پر میں نفرتوں کی تصویر بنائی میں نے خود ہی اپنی قسمت پر کالی سیاہی کے چھینٹے پھینک دیئے کسی مظلوم کی ہاہ اور بددعا نے مجھے آسمان سے زمین پر آ پھینکا اور میں بربادیوں کی پاتال میں گرتی چلی گئی بے پناہ دولت ، بے انتہا حسن ماں باپ کے لاڈ پیار نے غرور وتکبر کی اعلیٰ صف میں آ کھڑا کیا۔ جہاں مجھے اپنے سوا کوئی دکھائی نہیں دے رہی تھی کہتے ہیں غرور کا سر ہمیشہ نیچے ہوتا ہے ہاں میں غرور وتکبر کی سزا پا رہی ہوں میں کبھی اپنے ناک مکھی نہیں بیٹھنے نہیں دیتی تھی ۔آج میں ایک چھوٹے سے بدبو دار کمرے میں اپنی پھیلائی ہوئی گندگی پر بیٹھی گل سڑ رہی ہوں ۔ مجھ میں اٹھنے کی ساکت نہیں کہ ایک دو گھونٹ پانی ہی پی لوں کہ گلا خشک ہونے کی وجہ سے آواز بھی نہیں نکل رہی ، آواز جیسے گلے میں چپک سی گئی ہو اور نہ جانے کب تک اپنی بنائی جہنم میں جلتی رہوں گی ۔ثریا او ثریا بیٹا جلدی کر ٹائم دیکھ وہاں مہندی کی ڈھولک بھی بج کے رک گئی ادھر تیری تیاری جو ختم نہیں ہوئی امی مجھے مسلسل آوازیں دے رہی تھی اور میں آئینے کے سامنے بیٹھی اپنا حسن سنوار رہی تھی امی کی آوازوں سے تنگ آ کر بولی ارے اماں دھی (بیٹی) چن دا (چاند کا ٹکڑا) ہے۔ ٹکڑا تیاری نہ بھی

کرے تب بھی بے بہا خوبصورت ہے۔ اُف میرا یہ حسن اور قسمت ہائے میں انگڑائی لیتی ہوئی بولی بڑی شاندار اداؤں بال لہراتی ہوئی اماں کے ساتھ چلنے لگی اماں نے بڑی تیزی سے رک کے ہدایت کی چل نی بگلی چھیتی نال چدر لے آ (چل پاگل جلدی سے چادر لے آؤ) وڈی آئی سونے والاں والی (بڑی آئی ہو خوبصورت بالوں والی) اماں ڈانٹتی ہوئی بولی مگر اس کے برعکس کس کی سنتی کب تھی ۔خدا نے حسن تو دیا ہی تھا ساتھ مجھ میں نزاکت کی بھی فراوانی تھی اور میں مست اونٹنی کی طرح لہرا لہرا کے چل رہی تھی ۔ادھر شادی والے گھر میں خوب رونق تھی اور میں شادی والے گھر میں اترا اترا کے چل رہی تھی ۔شادی میں عام سی نین نقوش والی لڑکیوں کو دیکھ کر اپنے حسن پر ناز ہو رہا تھا ان لڑکیوں کو دیکھ کر میں خوب ہنسنے لگی اور بلند آواز میں اماں کو آواز دینے لگی (ارے او ماں) چل مجھے گھر چھوڑ آ یہ کہاں لے آئی ہے تو مجھے کالی کلوٹی لنگڑی لولی (معذور) عورتیں کے درمیان میرا یہاں کیا کام پاس ہی چارپائی پر ایک معذور جواں لڑکی بیٹھی تھی نہایت ہی ہمدردانہ لہجے میں بولی نا لڑکی خدا کا خوف کر، خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے یہ مصیبت تجھ پر بھی آ سکتی ہے اور میں گاؤں کی اس معذور لڑکی کا مذاق اڑاتی ہوئی بولی ، جانی (چل جا) بھلا رب (خدا) میرا کچھ کیوں بگاڑے گا دیکھ ذرا میں کتنی

سوہنی ہوں ۔ڈھولک کی تاب پر دلہن کے ہاتھوں میں مہندی رچنے لگی میں ضمیر کی یادوں میں گُم ہو گئی ۔ضمیر اور میں دونوں خالہ زاد کزن تھے اور بچپن سے ہی ہم ایک دوسرے کے نام سے منسوب تھے ۔اگر مجھ کسی محبت تھی تو صرف ضمیر سے ہی تھی ہم بچپن سے ہی ایک ساتھ پلے بڑے ایک ہی سکول میں پڑھے اور یونیورسٹی میں ایک ساتھ رہے، ضمیر بہت ہی اور اسٹائلش تھا دولت تو جیسے عاشق تھی اس پر میں ضمیر کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھی ،فردوس میری اماں اور فرہین ضمیر کی اماں دونوں بہنوں میں بھی بے انتہا پیار تھا اور میری اور ضمیر کی محبت نے اس چاہت کو اور بھی گہرا بنا دیا۔ بارات والے دن میں اپنی چوائس پر گرین رنگ کا سوٹ پہنا سوٹ میں بڑی نفاست سے دستکاری کی گئی تھی میں آسمان سے اتری حور کی مانند لگ رہی تھی بارات آ چکی تھی تمام مہمانوں کی مجھ پر اور ضمیر پر تھی ہم دونوں کی جوڑی دیکھ کر ہماری محبت کو داد دے رہے تھے ۔لوگوں کی تعریفیں سن کر میرے غرور کو اور ہوا ملی ۔ میں باراتیوں کو ویلکم کر رہی تھی کہ اسی اثناء میں ایک معذور عورت جو رنگ سے سانولی لگ رہی تھی جس کا نام چاندنی تھی ، جو کہ میرے قریب آ کے رک گئی میں نے حقارت بھری نظر اس پر ڈالی اور بولی او باجی چل پرے ہٹ تمہار نام تو کسی نے غلطی سے چاندنی رکھ دیا ہے پر تو کالی اندھیری لگ رہی ہو،

پاس ہی نازک سی بچی اماں اماں کہتی ہوئی اس عورت کے گلے گئی میں زور سے ہنسنے لگی اور زور سے بولی ارے واہ، اولاد بھی کالی (اندھی) چاندنی نے قدرے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا لڑکی یہ تو خدا کے کام ہیں خدا کے کاموں میں دخل اندازی نہ دے خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے کسی دن چل گئی تو، تو کہیں کی نہیں رہے گی ۔شادی کی جھنجھٹ ختم ہو چکی تھی اور میں واپس گھر آ گئی ، گھر واپس آ کر اپنے روٹین ورک میں آ گئی سارا دن آئینے کے سامنے بیٹھی اپنا حسن سنوارتی رہتی اور آئینے کے سامنے بیٹھی بہت سی باتیں کرتی ، خود ہی اپنی تعریف کرتی اور خود ہی خود کو داد دیتی ۔ میں صبح کو ناشتہ کر رہی تھی دروازے پر ایک فقیر نے صدا لگائی اللہ کے واسطے روٹی دے بابا بھوکا ہو کئی دنوں سے میں غصے سے ناشتے اٹھی اور دوازے پر کھڑے فقیر کو اچھی خاصی سنا دی ، واہ تم فقیروں نے اچھا کاروبار سنبھالا ہوا ہے اچھے خاصے ہو جاؤ اپنا کماؤ اور کھاؤ صبح صبح منہ اٹھا کر چلے آتو ہو شرم نہیں آتی بھیک مانگتے ہوئے ،فقیر نے یہ سن کر بلند آواز میں بددعا دی جا تو بھی اس کاروبار کا حصہ بنے فقیر مجھے بددعا دیتے جانے لگا تو میں فقیر پر چیختے ہوئے کہنے لگی مجھے کچھ نہیں ہو سکتا تم جیسوں کو جوتی کی نوک پر رکھتی ہوں ایک چھوڑ کے دس بددعائیں دے میری جوتی کو یہ کہتی ہوئی میں شیرنی کی طرح غراتے ہوئے

کمرے میں آ گئی ۔20 فروری کا شام میں بھری اداؤں کے ساتھ حسن برساتی ضمیر کے گھر آ گئی دلہن بنی کمرے میں بن سنور کر بیٹھی تھی آسماں کے ستارے جیسے زمیں پر آ گئے ہوں ، ضمیر نے دروازہ کھولا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میرے پاس آ کر بیٹھ گیا مجھے میری دھڑکنیں بند ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں ۔ضمیر نے میری ٹھوڑی پکڑ کر میرا سر اوپر کیا میں شرما گئی ثریا آج تو تم دلہن بنی چودھویں کا چاند لگ رہی ہو جیسے سارے حوروں کا حسن تم پر آ گیا ہے ضمیر کے منہ سے اپنی تعریف سن کر میں ہواؤں میں اڑنے لگی ، ضمیر نے مجھے بانہوں میں بھر لیا ۔ مجازی خدا کی بانہوں میں آ کر میں خود سے بیگانہ سی ہو گئی ۔ضمیر فروٹ کا کاروبار کرتا تھا اور ساتھ ہی ان کے ذاتی ڈیری فارم بھی تھے کافی خوشحال گھرانہ تھا ضمیر کی گھر میں ، میں ملکہ بنی پھرتی تھی ، نوکروں پر خوب روب جماتی ، گھر کا کام سہی نہ کرنے پر میں خوب انھیں بے عزت کرتی ۔ ہماری شادی کو پانچ سال ہونے کو تھے مگر میں اولاد جیسی نعمت سے محروم تھی ، لاکھوں روپے خرچ کرنے کے بعد کوئی امید گھر نہیں آئی ضمیر کاروبار کی وجہ کم ہی ٹائم نکال پاتے تھے گھر کے نوکر میرے پاس آنے سے کتراتے تھے آہستہ آہستہ میں تنہائی اور مایوسی کا شکار ہونے لگی ۔ ضمیر کو کئی دفعہ بولا میرے لئے وقت نکالو میں گھر میں اکیلی بیٹھی بور ہوتی ہوں ضمیر نے بے زاری

سے ڈانٹ کر کہا کیا تمھیں اپنے سر پر بیٹھا کر گھوماتا پھروں، لاکھوں کام کرنے ہوتے ہیں ، تمھیں سنبھالوں یا کہ کاروبار کو، ضمیر کی باتیں تیر کی طرح دل میں پیوست ہو گئی اور دیر تک اپنی قسمت پر روتی رہی ۔ میں پچھلے کئی گھنٹوں سے ضمیر کا انتظار کر رہی تھی رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی ضمیر دیر سے سہی پر گھر ضرور آ جاتا تھا پر آج اتنا لیٹ اللہ خیر کرے میرے دل میں وسوسے اٹھنے لگے کہ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی میں نے جلدی سے فون ریسیو کیا دوسرے طرف سے مردانہ آواز آئی آپ مسز ضمیر ہیں ، جی میں مسز ضمیر بول رہی ہوں ، میں نیشنل ہسپتال سے ڈاکٹر خرم بول رہا ہوں آپ کے شوہر کو گولیاں لگی اور ان کی لاش ہسپتال میں ہے آپ ضروری کاروائی کے بعد لاش لے جا سکتی ہیں ۔فون ریسیور میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں گرتی پڑتی ہسپتال پہنچی تو ضمیر آنکھیں بند کیے ہوئے سوئے تھے ضمیر کو گھر آتے ہوئے گولی مار کر ہلاک کر کے، گاڑی اور نقدی چھین کر لے گئے اور میری دنیا ہی اجاڑ دی پولیس نے ضروری کاروائی کے بعد لاش میرے حوالے کی ۔ضمیر تو زیر شہر خموشاں چلے گئے مگر مجھے دنیا کے رحم وکرم پر چھوڑ گئے ضمیر کے جاتی ہی ان کے بھائیوں نے اپنی اصلیت دکھانا شروع کر دی، سب سے پہلے دیوروں نے مجھے گھر سے مجھے بے دخل کیا ماں باپ پہلے ہی دنیا سے رخصت

ہو چکے تھے بھری دنیا میں میرا کوئی نہیں رہا، اور میں سڑک پر آ گئی ۔ کئی دنوں تک فاقوں میں رہنے کے بعد جب سخت بھوک لگی تو بھیک مانگنے پر مجبور ہوئی ، پیٹ کا دوزخ کی آگ بجانے کے لئے کئی سالوں تک بھیک مانگتی رہی ، بھوک پیاس ، سارا دن سڑک پر پڑا رہنے کی وجہ سے چہرے پر گرد مٹی کی ایک تہہ سی بن گئی کبھی جو مجھے اپنے حسن پر ناز ہوا کرتا تھا وہ حسن باقی نہیں رہی ، ایک سرد شام میں سردی اور بھوک سے تنگ آ کر ایک گھر کی چوکھٹ پر کھٹکھٹایا۔ ایک نوجوان لڑکی نے روازہ کھولا اور مجھے دروزے پر ہاتھ پھیلائے دیکھا تو مجھے نفرت انگیز نظروں سے دیکھ کر کہا شرم نہیں آتی منہ اٹھا کر بھیک مانگنے چلی آتی ہو، اچھا کاروبار کھولا ہوا ہے ۔ بھیک مانگنے کے بہانے گھر میں تاک جھانک کرتی ہو اور بعد میں اپنے عاشقوں کو بلا کر گھر کا سفایا کرتی ہو ۔ چلو نکلو یہاں سے کوئی خیرات نہیں ہے داتا دربار سمجھ رکھا ہے ۔لڑکی سے یہ سن کر مجھے اپنا پچھلا ماضی یاد آ گیا اسی طرح میں ایک فقیر کو اپنے گھر سے دھتکارہ تھا آج وہی سب کچھ میرے سامنے آ رہا ہے ۔آج اسی فقیر بابا کی بددعاؤں سے میں اسی کاروبار کا حصہ بن گئی تھی ، ان کی بددُعاؤں سے در در ٹھوکریں میرے نصیب میں لکھ دی گئی ۔ ایک فٹ پاتھ پر بیٹھی

بھیگ مانگ رہی تھی کہ کچھ آورہ لڑکوں نے تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے مجھے ٹکر مار دی گاڑی کا ٹکر سے میں دور جا گری ، میں شدید زخمی حالت میں سڑک پر پڑی رہی کسی خدا ترس رکشے والے نے خدا کا خوف کرتے ہوئے ، خیراتی ہسپتال کے دروازے پر چھوڑ گیا ۔کئی دنوں تک خیراتی ہسپتال میں پڑی رہی تو ٹھیک ہونے کے بعد دوبارہ سڑک پر آ گئی ، کئی دنوں فاقہ کشی کے بعد میں کافی کمزور ہو گئی تھی ، چلنے پھرنے سے رہ گئی تھی کہ قریبی رشتے داروں نے سڑک پر بھیگ مانگتے ہوئے دیکھ لیا، تو وہ سڑک سے اٹھا کر اپنے ساتھ لیتے ہوئے آئے گھر کے ایک سائیڈ روم میں ایک چھوٹا سا کمرہ دے دیا کچھ دن تک تو وہ روٹی کھیلاتے رہے لیکن آخر کب تک ، آخر وہ مجھے بھول گئے اور میں اس چھوٹے سے کمرے میں بے یار و مددگار زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں ۔ اللہ سے رو رو کر اپنے گناؤں کی مافی مانگتی ہوں کہ یا اللہ مجھے جلدی اپنے پاس بلا لے مجھے میں زیادہ دکھ سہنے کی طاقت نہیں اور میں اپنے کیے کی سزا پا رہی ہوں ۔ یا اللہ مجھ پر رحم فرما اور مجھ سمیت ان سب کو ہدایت دے جو دولت اور حسن کے چکر میں یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیا فانی ہے اور ہم سب نے خاک ہونا ہے ۔